فون نمبر: 5863260
5862956
مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن
Email: centralanjuman@yahoo.com
رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 98 | 3 ذوالقعدۃ تا 2 ذوالحجہ 1432 ہجری۔ یکم تا 31 اکتوبر 2011ء | شمارہ نمبر 20-19

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف میں حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی و روحانی مقام

حضور کے کشف میں آپ کو مجددین کا خطاب دیا گیا

ایک دردمند اور پُر اُمید دِل

''کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے اور خواجہ کمال الدین صاحب کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن وسنت سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں'' (پکتھال)

(رسالہ اسلامک کلچر۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

''مصنف صحیح انگریزی ترجمہ بمع اسناد''

''اگرچہ مولوی محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات ایک لائبریری کا درجہ رکھتی ہیں تاہم ان کی شاہکار تصنیف انگریزی ترجمۃ القرآن ہے۔ جس سے آپ نے خود کو زندہ جاوید بنالیا ہے۔ کسی شخص کو یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ مولانا صاحب نے قرآن کریم کے کوئی نئے معانی کئے ہیں، جہاں جہاں انہوں نے اختلاف کیا ہے ان کا ترجمہ یا تو صحیح و درست ہے یا انہوں نے اپنے ترجمہ کی تائید میں اسناد پیش کی ہیں''۔

(حافظ غلام سرور صاحب۔ دیباچہ ترجمۃ القرآن انگریزی

فرقان خُدا نما ھے
خُدا کا کلام ھے

(کلام حضرت امام الزماں)

ہے شکر ربِّ عزّ و جل خارج از بیاں
جس کے کلام سے ہمیں اس کا ملا نشاں

وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں

اس سے ہمارا پاک دِل و سینہ ہوگیا
وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا

اس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا
ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دِل بدل دیا

اس سے خدا کا چہرہ نمودار ہوگیا
شیطان کا مکرو وسوسہ بے کار ہوگیا

وہ رہ جو ذات عزّ و جل کو دکھاتی ہے
وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے

وہ رہ جو یار گمشدہ کو کھینچ لاتی ہے
وہ رہ جو جامِ پاک یقین کا پلاتی ہے

وہ رہ جو اس کے ہونے پر محکم دلیل ہے
وہ رہ جو اس کے پانے کی کامل سبیں ہے

اس نے ہر ایک کو وہی رستہ دکھا دیا
جتنے شکوک و شبہ تھے سب کو مٹا دیا

افسردگی جو سینوں میں تھی دور ہوگئی
ظلمت جو تھی دلوں میں وہ سب نور ہوگئی

جو دور تھا خزاں کا وہ بدلا بہار سے
چلنے لگی نسیم عنایات یار سے

جاڑے کی رُت ظہور سے اس کے پلٹ گئی
عشقِ خدا کی آگ ہر اک دل میں اٹ گئی

جتنے درخت زندہ تھے وہ سب ہوئے ہرے
پھل اس قدر پڑا کہ وہ میووں سے لد گئے

فرقان خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن نا تمام ہے

خطبہ عید الفطر

فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 2 ستمبر 2011ء، بمقام جامع دارالسلام، لاہور

(ترتیب و تدوین ارشد علوی)

تشہد وتعوذ کے بعد آپ نے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 73 تلاوت فرمائی۔ جس کا ترجمہ یوں ہے۔

ترجمہ: ’’ اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آچکی ہے ۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشان ہے سو اس کو چھوڑ دو، اللہ کی زمین میں چرے اور اس کو کوئی دکھ نہ پہنچاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا‘‘۔

آج ہم عید الفطر منا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں توفیق دی کہ ایک ماہ رمضان ہم نے اور پالیا اس میں جو روزے ہم پر فرض کئے گئے وہ ہم نے مکمل کیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک اور موقع عطا فرمایا اس کا ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی مسجدوں کو خوب آباد رکھا۔ تین افطاریاں ہوئیں جس میں محترمہ خالدہ عبداللہ صاحبہ (سرینام)، محترم منصور صاحب (امریکہ) اور حسب سابق محترم چوہدری سعادت احمد صاحب (لاہور) نے آخری عشرہ مبارک میں افطاریوں کا اہتمام کیا۔ ختم قرآن کی تقریب بھی ہوئی۔ تراویح ہوئیں، بہت سے اعتکاف بیٹھے، سب نے مل کر باقاعدگی سے نمازیں ادا کیں۔ یہاں ایک صحیح جماعتی رنگ ہم سب نے مل کر پایا۔

خاتم النبیین

قرآن کریم کے نازل ہونے کا ماہ ہے۔ اسی کی وجہ سے روزے اس متبرک مہینہ میں رکھے جاتے ہیں اس کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت کا اعلان اسی ماہ میں کرتے ہیں اور فرمایا: ’’میں تم سب کے لئے رسول بھیجا گیا ہوں‘‘ اور یہ ایک بہت بڑی سند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبوتیں ختم کردیں اگر نبوتیں جاری ہونی ہوتیں تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ختم کرنے کا اعلان نہ کرتے بلکہ وہ گنجائش چھوڑتے کہ کچھ لوگ ایسے بھی آئیں گے کہ جن کے لئے کوئی اور رسول آئے گا۔ ختم نبوت کے بارے میں ایک اور ایسی آیت ہے جس میں رسول کریم صلعم نے بتادیا ہے کہ میں ہی وہ نبی ہوں جس نے نبیوں کی پیشگوئیوں کے مطابق آنا تھا اور میرے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ہم سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ساتھ یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری تمام عبادات اور دعائیں جو ہم نے اس ماہ کی کیں اس کو قبولیت بخشے۔ جو الاعراف کی آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی اس میں ثمود کی قوم کی طرف، اللہ تعالیٰ کے نبی صالح علیہ السلام نے آکر یہ اعلان کیا کہ اونٹنی جو اللہ کی اونٹنی کہلائے گی وہ تم میں چھوڑ دی اور بتادیا کہ اس کو زمین میں چرنے دو، اس کو پانی پینے دو۔ اس وقت یوں ہوا کرتا تھا کہ امراء کے جانور پانی پیتے تھے اور باقی لوگوں کے جانوروں کو بھگا دیا جاتا تھا تو ان کو کہا کہ اس کو کھانے سے بھی نہیں روکنا اس کو پینے سے بھی نہیں روکنا۔ اگر اس کو کسی قسم کا بھی نقصان پہنچایا تو سمجھ لو کہ یہ تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی بن کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اونٹنی کو ایسا نشان بنادیتا ہے کہ اگر اپنے نبی کے کہنے پر جو اللہ کے حکم سے تھا یہ اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تو پھر ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ اس کو مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرتے ہیں لیکن اگر اس کے برعکس یہ اس کو نقصان پہنچاتے ہیں تو پھر یہ ایک طرف اشارہ تھا کہ اس کو نقصان پہنچانا گویا اللہ تعالیٰ کو چیلنج کرنا ہے کہ ہم تیری بات نہیں مانتے، یہ اونٹنی ہے دیکھ لو اس کو کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ یہ جو آپ نے اپنا نشان بنا کر بھیجا ہے

اس کو ہم نے چند سیکنڈوں میں ختم کر دیا ہے۔ ایک طرح سے نبی کو بھی تنبیہہ دے دی ہے کہ اگر ہم تیری اونٹنی کو مار سکتے ہیں تو تُو ہمارے آگے کیا چیز ہے تو بھی تو ہم میں سے ایک ہے، کمزور ترین لوگوں میں سے ہے، تو ہم تجھے بھی اس طرح ختم کر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان پر عذاب آئے گا چنانچہ وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کی قوم کو بچالیا اور قوم ثمود جن کو ان کے بھائی کہا گیا تھا وہ خدا تعالیٰ نے نیست و نابود کر دی۔

نشان الٰہیہ

تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک نشان تھا جس طرح کچھ متبرک چیزوں کو نشان بنا دیا جاتا ہے جیسے بیت اللہ شریف ہے اور کچھ چیزوں کا کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ میری آج سے نشانی ہے اس کو چھیڑنا نہیں ہے۔ اور بہت سارے قصے مشہور ہیں اس اونٹنی کے متعلق جن کا نہ کوئی قرآن اور نہ کسی حدیث سے کوئی ثبوت ملتا ہے کہ یہ واقعات ایسے ہوئے جیسے بتائے جاتے ہیں کہ قوم نے تقاضا کیا کہ ہم اللہ کو تب مانیں گے کہ یہ جو سامنے پتھریلی پہاڑی ہے اس کے اندر ایک اونٹنی نکل کر ہماری طرف آجائے اور وہ نکل کر آ بھی جائے تو بھی ہم نہیں مانیں گے حتیٰ کہ وہ اونٹنی جو چار سال کی عمر کی ہو اور اچھے قد والی ہو۔ عربوں کے نزدیک اونٹنی کی بڑی فضیلت ہے۔ ایک ہزار نام اونٹوں کو دیئے گئے ہیں حتیٰ کہ جمیل، جمال، خوبصورت ہمارے نام بھی جیسے جمیل اور جمال بنتے ہیں۔ یہ بھی اونٹنیوں کی خوبصورتیوں پر ایک ہزار نام لکھے گئے ہیں اور قرآن کریم میں تیرہ مرتبہ مختلف ناموں سے اونٹنی کا ذکر آتا ہے اور انسانی عقل کو کہا جاتا ہے کہ تم غور کرو کہ اونٹ کو کیسے بنایا گیا۔ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے لیکن جس اونٹنی کا ذکر سورۃ الشمس میں کیا گیا ہے وہی سورۃ ہود میں بھی ہے اور سورۃ الاعراف میں بھی ہے تین جگہ اس اونٹنی کا ذکر آتا ہے اور وہ شرطیں لگاتے جاتے ہیں کہ یہ اونٹنی جب نکل کر آئے گی تب بھی ہم اسے نہیں مانیں گے جب تک اس اونٹنی کے پیٹ کے اندر ایک بچہ بھی ہو اور وہ بچہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ہو گیا اور اس کے اندر بچہ بھی نظر آرہا تھا لیکن پھر بھی انہوں نے اس کو مار ڈالا تو ایسی کوئی حدیث قرآن سے مماثلت میں نہیں ملتی۔

اب حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد زماں مسیح موعود، مہدی معہود علیہ الرحمت ایک طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ ''ناقتہ اللہ'' کیا ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر جو اس کی روح اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ناقتہ اللہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے اور ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ اس اونٹنی کو آپ نے خوراک بھی دینی ہے، پانی بھی مہیا کرنا ہے۔ یوں کرو گے تو یہ اللہ کی نشانی ہے۔ آپ کے اندر بڑھے گی، پھولے گی، اور یہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب لے جانے کا ذریعہ بنے گی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب اس کے ذریعہ ہی سے حاصل ہوگا جیسے اونٹنی ہے کہ وہ سفر کے لئے کام کرتی ہے۔ اس کے برعکس اگر اس کا خیال آپ نہیں کرو گے تو پھر ایک طرح اس اونٹنی کو آپ نے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا۔ آپ نے اس کا خیال نہیں رکھا۔ آپ نے نہ اس کو کھانا کھانے کے لئے دیا۔ نہ اس کو پانی پینے کے لئے دیا اور وہ آپ کے ہاتھوں مر گئی۔ اور خدا نے اس کو جو آپ کے قلوب کے اندر چرنے کے لئے۔ اس کو بڑھنے کے لئے۔ پھلنے پھولنے کے لئے اور آپ کے لئے ایک ذریعہ بنایا تھا کہ اس کی وجہ سے آپ خدا کا قرب حاصل کرو گے۔ آپ نے اس خدا کے حکم کو صالح علیہ السلام کی قوم کی طرح پس پشت ڈالتے ہوئے اس اونٹنی کو ضائع کر دیا۔ جو آپ کے لئے ایک اجر فراہم کر سکتی تھی، اللہ تعالیٰ کی قربت فراہم کر سکتی تھی۔ اس کے برعکس یہ آپ کے لئے ایک نقصان اور سزا کا موجب بن گئی۔

ہم جب سوچتے ہیں کہ ایک اونٹ کو لے لیں تو اس پر آپ گھنٹوں لیکچر سن سکتے ہیں۔ جب میں نے اونٹوں کے متعلق دیکھنا شروع کیا اور مختلف ویب سائٹس سے کوئی پندرہ سولہ صفحے کے نوٹس بھی میں نے نکال لئے۔ طرح طرح کے کرشمے ان میں اللہ تعالیٰ نے ڈال رکھے ہیں اگر ہم ان کی پانی پینے کی عادت کو دیکھیں تو وہ ایک سوتیس (130) لیٹر پانی دس منٹ کے اندر اندر پی سکتے ہیں اور اگر ان کو پھر کھانا بھی نہ ملے تو بھی وہ 36 دن بغیر پانی کے زندہ رہ سکتے ہیں۔ یہ ان میں اللہ تعالیٰ ایک نے خوبی رکھی ہے۔ ریگستان جیسی تپتی زمین پر چل کر پلس 50 ڈگری سنٹی گریڈ ٹمپریچر میں اپنے اوپر سواری اور سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا سکتے ہیں۔ اور اسی طرح ان کو منفی 50 ڈگری ٹمپریچر میں چھوڑا جائے تو جو انہوں

نے پانی ذخیرہ کیا ہوتا ہے اس کو لے کر آگے تک چلے جاتے ہیں۔

فلسفہ رمضان

اگر آپ ماہِ رمضان کا فلسفہ دیکھیں تو یہ جو اللہ تعالیٰ نے نشانیاں ہمارے اندر رکھی ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو تخلیق کیا۔ ہماری روحیں اللہ کے آمنے سامنے تھیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی تلاش ڈالی گئی۔ جس طرح انسان کے اندر ایک جستجو ہوتی ہے کہ وہ رب کہاں ہے جس نے ہمیں پیدا کیا، ہماری تخلیق کی اور ہمیں یہ جسم عطا کیا۔ اگر ہم اس کو ایک اونٹنی کی مثال دیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر سال ایک گرینڈ چیز ''ناقتہ اللہ'' رکھی ہے کہ جس میں جتنا پانی آپ اس کو پلائیں وہ پیتی رہتی ہے۔ آپ روزے رکھیں، قرآن کریم کی تلاوت کریں، نماز پڑھیں، نیک صحبت میں رہیں، اپنی غلطیوں کو چھوڑ دیں اور ارادہ کریں کہ ہم اس کو جس طرح ہماری روح خوش ہے اسی طرح خوش رہنے دیں گے تو اسی خوشی کو عید کہتے ہیں۔

آج کے دن اچھے اچھے کپڑے پہن لینے اور امید کرنا کہ جب گھر جائیں گے تو والدین عیدیاں بھی دیں گے، کھانا بھی اچھا پکایا ہوگا۔ تو یہ بہت محدود ٹائم کی عید ہے جیسے کھانا ہضم ہوگا ٹیسٹ ختم ہوجائے گا جس کے ساتھ آپ کی اور ہماری عید بھی ختم ہوجائے گی۔ لیکن جو ہمارے اندر کی روح رمضان کی وجہ سے سپر فل ہوئی ہے اور وہ نشانی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر اپنی چھوڑی ہے جس سے ہمارا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اس کو جو غذا میسر ہوئی بہت عرصے تک اس اونٹنی کی طرح جس نے 130 لیٹر پانی پی لیا تھا اور چلتی گئی یہ بھی چلتی جا سکتی ہے لیکن چلتے چلتے وہ حد آسکتی ہے کہ جب آپ کو اور ہمیں یہ محسوس ہونے لگ جائے کہ ہماری روح کو اتنے مزے کروائے تھے اور ہم اس پر سوار ہو کر اللہ کے اتنے قریب ہو چکے تھے اگر آج ہم نے پھر سے اس کو خوراک نہ دی، اس کو مار ڈالا، تو پھر ہم اللہ سے دوری محسوس کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ حضرت مرزا صاحب نے اسی طرف توجہ دلائی ہے کہ آپ کے اندر یہ جو ناقتہ اللہ ہے اس کی پرورش کرنے میں کوتاہی نہ کرو ورنہ آپ کی حیثیت صالح علیہ السلام کی قوم سے کم نہیں ہوگی انہی کی طرح آپ کو سزائیں ملیں گی، انہی کی طرح آپ رسوا ہوں گے، انہی کی طرح آپ ناکامی کی زندگیاں بسر کرو گے۔ تو آج جب ہم عید منائیں تو یہ بھی پختہ ارادہ کرلیں کہ ہم نے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک تعلق اس ماہ میں قائم کیا ہے۔ اپنی روح کی پرورش اسی طرح جاری رکھیں گے۔

عشق قرآن

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اور قرآن کے ساتھ جو محبت، لگن، قربت اس ماہ میں محسوس کی ہے اور ہم نے خود مشاہدہ بھی کیا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد سے قائم رہے۔ اس مال کو دونوں ہاتھوں سے لوٹیں جو مسیح موعود علیہ السلام ہمارے لئے لے کر آئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن ہی وہ مال ہے جس سے مسیح موعود علیہ السلام نے اس قوم کو مالا مال کرنا تھا اور آپ کو تاریخی طور پر معلوم ہے کہ مسیح ناصری (عیسیٰ علیہ السلام) کو اس لئے یہودیوں نے نظر انداز کیا کہ وہ بھی مال بانٹنے آیا تھا، خزانے بانٹنے آیا تھا، حکومت لینے آیا تھا لیکن جب یہودیوں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں تو خود اتنی طاقت اور دولت نہیں ہمیں کیا بانٹے گا تو انہوں نے اس کو نظر انداز کر دیا۔ اسی طرح ظاہری اسباب پر شاید مسیح موعود کا انتظار ہو رہا ہوگا کہ وہ آئے گا وہ مسلمانوں میں خزانے بانٹے گا، جنگیں لڑے گا، ان کے دین کی حفاظت کرے گا۔ جیسا کہ مسلمان بالکل مفلوج ہوجائیں گے تو ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالکل ختم ہوجانے کے بعد ایک اسرائیلی نبی کی ضرورت ہوگی کہ کسی طرح آکر ہم کو بچا لو، ہم سخت مشکل میں ہیں تو یہ بالکل سمجھ سے بالاتر ہے اور اللہ تعالیٰ اس سمجھ کو دنیا والوں کے دل میں ڈال دے اور وہ جو قرآن کا مال اس زمانے میں تقسیم ہو رہا ہے اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کو پڑھ کر، اس کو سننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے اور اپنے آپ کو ایک نمونہ بنا کر دنیا میں پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہمارے اندر عید کی جو خوشی ہے بار بار آنے والی ہے یہ قائم و دائم رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہماری زندگیاں ایک نیک تبدیلی کی طرف راغب ہوجائیں۔ ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کی یہ جو اونٹنی دوڑنے کو تیار ہے آگے بڑھنے کو تیار ہے ہم ان کوتاہیوں میں نہ پڑ جائیں کہ اس کی خوراک کو فوٹا فٹ کاٹ دیں۔ ہم پھر اس مشکل میں پڑ جائیں کہ نمازوں کے لئے اٹھا کرتا تھا آج اٹھوں کہ نہ اٹھوں، میں قرآن پڑھتا تھا آج پڑھوں کہ نہ پڑھوں، میں وہ لمبے لمبے سجدے کیا کرتا تھا آج کروں کہ نہ کروں۔ ہمیں اپنے اس آج کے کیے ہوئے وعدے کو نبھا سکیں۔ آئیں خدا کی طرف قدم بڑھائیں اللہ تعالیٰ دس قدم آپ کی طرف بڑھاتا ہے (آمین)

آپ سب کو میری طرف سے بہت بہت عید مبارک ہو

انگریزی سے ترجمہ: نگینہ عامر (بی۔اے)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) ہالینڈ کی 35ویں یوم تاسیس کے موقع پر

حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ کا افتتاحی خطاب

جو مورخہ 13 اکتوبر 2011ء کو مسجد قبلتین پول کروخرلان، ہیگ میں دیا گیا

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

جناب چیئرمین جلسہ محترم صدر جماعت شیخ قاسم صاحب، مجلس انتظامیہ کے ممبران، ہالینڈ جماعت کی مختلف جماعتوں کے صدر و امام صاحبان، مرکزی انجمن، لاہور کے وفد کے ارکان اور دیگر بیرونی جماعتوں کے وفود اور مجلس انتظامیہ کے ممبران، خواتین و حضرات سب سے پہلے میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) ہالینڈ کو 35ویں یوم تاسین کی تقریب کے موقع پر اس کانفرنس کو منعقد کرنے پر مبارکباد کہتا ہوں۔ آپ کی جماعت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے نتیجہ میں جو معلومات مجھے حاصل ہوئیں ان میں سے چیدہ چیدہ حقائق اور واقعات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے مجھے متاثر کیا۔

11 ستمبر کے افسوسناک واقعہ نے جو 10 قبل امریکہ میں رونما ہوا اس کی وجہ سے مغرب میں اسلام کے خوبصورت چہرہ پر ایک نہایت بدنما داغ پڑا اور اس کے نتیجہ میں خود امریکہ میں اور دیگر مسلمان ممالک میں انتہائی تکلیف دہ واقعات رونما ہوئے۔ آپ کی جماعت مسلمانوں میں وہ پہلی جماعت تھی جس نے اپنے 25ویں سالانہ جلسہ میں اس بے دریغ معصوم جانوں کی ہلاکت کی پرزور مذمت کی۔ آپ کے اس اجلاس میں جنوبی ہالینڈ کے صوبہ میں ملک کی مقرر کردہ گورنر ہیگ شہر کی میئر اور اس خوبصورت شہر کے ممتاز علمی ماہرین نے شریک ہو کر اور بعض نے اپنے خیالات کا اظہار کر کے اس خصوصی اجلاس کی اہمیت کو دوبالا کیا۔

اس جماعت کی کوشش سے احمدیہ انجمن (لاہور) ہالینڈ کو حکومت نے مسلمانوں کی ایک رجسٹرڈ انجمن کے طور پر منظور کیا۔ مجھے یاد ہے کہ یہ خبر پاکستان میں احمدیوں کے لئے ایک خوشخبری تھی اس وقت کے جماعت کے صدر حکمت مہاوٹ خان کو تمام جماعتوں نے ان کو اس کامیابی پر مبارکبادی کے پیغامات بھیجے۔ ہمیں امید ہے کہ اس جوش اور جذبہ سے موجودہ صدر ہیگ جماعت جناب شیخ قاسم صاحب بھی اپنے قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر جماعت کو پہلے سے بڑھ کر کامیابیوں سے ہمکنار کریں گے۔

1974ء میں پاکستان میں آئینی اور قانونی بندشوں نے ہمیں جکڑ کر ایک غیر مسلم اقلیت بنا دیا۔ لیکن انہی دنوں ہمیں ایک امید کی کرن دیکھنا نصیب ہوئی۔ سرینام کو ہالینڈ کی نوآبادیاتی غلامی سے آزادی ملی اور ہالینڈ کی فراخدلانہ پالیسی کی وجہ سے لوگوں کو ہالینڈ آ کر آباد ہونے کی اجازت دی گئی۔ ہم ان تمام احمدی بھائیوں کے شکرگذار ہیں جنہوں نے اپنا آبائی ملک چھوڑ کر ہالینڈ آ کر آباد ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور اس طرح سینکڑوں احمدی بھائی اور بہنیں اس ملک میں آ کر آباد ہوئے اور اپنی استطاعت کے مطابق مختلف شہروں میں مرکز قائم کئے۔ یہ مرکز جس میں ہم سب آج اکٹھا ہوئے ہیں اس کی بنیاد 2 مئی 1976ء کو چند مخلص اور پرجوش احمدی بھائیوں نے ڈالی۔ ان میں محترم نور سردار صاحب، محترم عبدالشکور حسینی صاحب، محترم حاجی حسن محمد صاحب اور جناب شمس الدین الٰہی بخش صاحب پیش پیش تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے مرحوم والد ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جو اس وقت لاہور کے مرکزی انجمن کے نائب صدر اور بیرونی جماعتوں کے شعبہ کے صدر تھے انہوں نے اس عمارت کا 12 نومبر 1977ء کو افتتاح کیا۔ بعد میں محترم ڈاکٹر صاحب مرکزی احمدیہ جماعت کے تیسرے امیر بھی منتخب ہوئے۔

میں ہمیشہ ایسے موقعوں میں ناموں کا ذکر کرتے ہوئے حتی الامکان احتراز کرتا ہوں کہ کوئی اہم نام رہ نہ جائے۔ بحرحال میں کما حقہ انصاف سے کام نہ لوں گا کہ اگر ان تمام ممبران اور امام صاحبان کو بھی خراج عقیدت پیش نہ کروں جنہوں

نے اس جماعت کے مراکز کی تعمیر اوران کی کارگذاری میں اپنا خون پسینہ ایک کیا لیکن اب وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ میں اس موقع پر ان تمام لوگوں کی روحوں کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا کرتا ہوں اور یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولادوں اور دیگر لواحقین کو اسلام کی خدمت کرنے اور تحریک احمدیت کے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لئے کوشش اور قربانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس موقع پر میں ان لوگوں کا ذکر بھی کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے نہ صرف ہیگ جماعت کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ مرکزی انجمن ہیگ کی جماعت سے رشتہ قائم کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ان ناموں میں شمس الدین الٰہی بخش صاحب، کرامت بیلچین صاحب، جناب حسن محمد صاحب، جناب سیس رمضان صاحب اور جناب محمد فاضل رمضان صاحب نمایاں ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان مرحومین پر بھی اپنی رحمت اور مغفرت نازل فرمائے۔

ایک طرف اگر اس جماعت کو قائم ہوئے سال بڑھ رہے ہیں تو میری عمر بحیثیت اس بین الاقوامی تحریک کے سربراہ کے بھی بڑھتی جا رہی ہے، میں اپنے دوروں کے دوران ہیگ جماعت کے پانچ صدور سے ملا اور مجھے ان کے گھر میں ٹھہرنے اور ان کی انتہائی پُرخلوص مہمان نوازی سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ اس موقع پر میں موجودہ صدر شیخ قاسم صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کی مہمان نوازی کا شکریہ بھی ادا کرتا چلوں جہاں اس دفعہ میں قیام کر رہا ہوں۔

بقیہ از صفحہ نمبر 32

اس طرح جلسہ 5:30 بجے اختتام پذیر ہوا۔ تمام مہمانوں کو پُر تکلف عشائیہ دیا گیا۔

17 اکتوبر 2011ء راٹرڈیم جماعت کی طرف سے حضرت امیر ایدہ اللہ اور بیرونی جماعت کے وفود کو مدعو کیا گیا۔ 7:30 بجے شام جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ جلسہ کی صدارت بھائی فیروز نصر اللہ صاحب نے فرمائی جو راٹرڈیم جماعت کے صدر ہیں۔

اس موقعہ پر نور سردار صاحب نے بتایا کہ 35 سال پہلے نیدر لینڈ میں جب جلسہ ہوا۔ تو ان ہالینڈ جماعت کے بانیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقعہ ملا اور آج تک ان کی قابل تحسین کوششیں اور قربانیاں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

بیگم صبیحہ سعید صاحبہ جو کہ پاکستان سے تشریف لائی ہیں انہوں نے ہالینڈ کنونشن کے انعقاد پر اپنے احساسات اور خیالات کا پُرجوش طریق صراحت سے اظہار فرمایا۔ آپ نے کہا کہ ہمیں ایک مسلم کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم رکھنی چاہیے اور خاص طور پر جماعت میں ہماری عورتوں کا کردار مثالی ہونا چاہیے۔ بھائی رفیق مانو صاحب نے اسلام اور احمدیت میں فرائض کی بجا آوری پر تقریر کی۔ آخر میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے اپنے ہمراہ وفود اور شریک جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ 11:30 بجے جلسہ کا اختتام ہوا اور مہمانوں کی پُرتکلف لذیذ عشائیہ سے تواضع کی گئی۔

کنونشن کا اختتامی دن مسجد ہیگ میں ہوا۔ تمام جماعتوں کے اعلیٰ عہدہ داران کے درمیان صبح سے ہی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ ملاقاتوں سے انتہائی مثبت رحجان کا تاثر ملتا تھا۔ پھر راٹرڈیم میں واپسی ہوئی۔ دوپہر کے بعد ٹراپیکل ہال میں آخری سیشن کی تیاری ہو رہی تھی جہاں 500 کے قریب افراد جمع تھے۔ ہالینڈ کی یوتھ جماعت میں عوام کے ساتھ سوال و جواب کا اہتمام کیا تھا جس میں عامر عزیز صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن لاہور بھی شامل تھے۔ سوال و جواب کا سلسلہ انتہائی خوشگوار ماحول میں ہوا۔ جس کے ماحول پر نتیجہ خیز دُوررَس اثرات مرتب ہوئے۔ اس میں اعتراضی سوالات کے تسلی بخش جواب دیئے گئے۔ اس موقع پر حضرت امیر ایدہ اللہ جو سامعین کی آمد پر خوشی اور مسرت کے جذبات سے لبریز تھے نے فرمایا کہ نیدرلیڈ میں احمدیوں کی کثیر تعداد دیکھ کر فخر ہوا ہے۔ آپ نے نوجوانوں کے مستقبل پر بھی روشنی ڈالی۔

یو۔این۔او کی مذہبی کانفرنس میں شمولیت کی دعوت

(پیغام صلح 7 مئی 1948ء)

میرے پاس امریکہ سے ایک خط آیا ہے۔ یہ جو اقوام متحدہ کی مجلس ہے اس کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک مذہبی کانفرنس بلائی جا رہی ہے۔ اصل میں سیاسی رنگ میں ہر قسم کی کوششیں کی گئیں کہ جنگ اور تباہی دنیا پر نہ آئے، لیکن ناکامی ہی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ مذہب کی طرف توجہ دلائی جائے۔ میرے نام بھی اسی کانفرنس میں شمولیت کے لئے دعوت آئی ہے۔

خاکسار، محمد علی

حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ
کی
انگریزی تحریر کا عکس

3.3.51

Received a letter from Woking yesterday – containing a copy of a letter from Mr. H. W. Thomas – Abdul Aziz, Camden, New Jersey, ~~Ameri~~ U.S.A. dated 29th Jan. 51 containing eleven names of Muslim persons who had joined Islam – also copy of a report for publication in the Islamic Review containing names of eight Britons who joined Islam, in and who belong to England and Holland, including one belonging to Australia. Nineteen converts to Islam. The news is no doubt a harbinger of what is to become – – [illegible]

یہ تحریر آپ کی انگریزی ڈائری سے لی گئی ہے جو ۳ر مارچ ۱۹۵۱ء کو آپ نے لکھی اور اس کے بعد کوئی اندراج اس ڈائری میں نہیں۔

از: امیر جماعت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب مرحوم

حضرت مولٰنا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی یادیں

13 اکتوبر کی تاریخ ہمیں ایک نہایت تکلیف دہ واقعہ کی یاد دلاتی ہے کہ اس دن 1951ء کو ہمارے پیارے امیر حضرت مولٰنا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ ہمیں داغ مفارقت دے گئے ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔ حضرت مولٰنا نہ صرف مذہبی دنیا میں عزیز الوجود تھے بلکہ تحریک احمدیہ کے ایک ممتاز شخصیت تھے۔ آپ نے اعلٰے تعلیم کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرتے ہوئے دنیاوی مفادات پر لات مار کر حضرت بانی سلسلہ کے قدموں میں بیٹھ کر دین و جماعت کی خدمت کا بیڑا اٹھایا اور 1903ء سے 1951ء تک ایک لمبا عرصہ یعنی پورے پچاس سال عظیم الشان دینی اور علمی لٹریچر پیدا کیا۔

اس طرح اخبارات ورسائل اور کئی ایک چھوٹی بڑی انگریزی اردو کتابیں اور ان سب سے بڑھ کر قرآن کریم کے انگریزی و اردو ترجمہ وتفسیر کے ذریعہ وہ زندہ جاوید خدمات انجام دیں۔ جن کی نظیر مذہبی دنیا میں نہیں پائی جاتی، نہ صرف حضرت مولٰنا اس لحاظ سے لائق، تعظیم وتکریم ہیں، بلکہ اس لئے بھی کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ان کے اندر سعادت و لیاقت کے آثار پاکر فرمایا ''میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری اور شریعت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے''۔

اور فرمایا:۔

''اگرچہ آپ کی خدا تعالیٰ کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہیں سکتا اور ہرگز نہ ہوتا مگر دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ کسی وقت وہ دعائیں اپنا اثر دکھائیں گی''۔

کس قدر وفور محبت و الفت کا اظہار فرمایا حضرت مسیح موعود نے؟ اور کتنا بڑا سٹرفکیٹ دیا ہے آپ کو زمانہ نے دیکھا کہ حضرت مولٰنا کے حق میں حضرت صاحب کی دعائیں اپنا اثر لائیں اور لاہور کے اس پاک ممبر کے ذریعہ سے وہ عظیم الشان دینی، جماعتی اور قومی خدمات سرانجام پائیں جن کی وجہ سے دین کی صداقت دنیا پر روشن ہوئی۔ جماعت اور قوم کو کئی قسم کی کامرانیاں حاصل ہوئیں۔ اور یورپ اور امریکہ اور خود برصغیر پاک وہند میں بہتوں کو راہ ہدایت نصیب ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت مولٰنا نے خود حضرت اقدس کی بناء کردہ جماعت کے اندر انتشار پھیلتے ہوئے اور حضرت اقدس کی طرف غلط دعاوی منسوب ہوتے دیکھ کر حق وصداقت کی آواز بلند کی۔

حضرت اقدس و جماعت کے حقیقی عقائد ونظریات کو کھول کھول کر دنیا کے سامنے پیش کیا جس کی وجہ سے جماعت کا ایک قیمتی حصہ حضرت امام وقت کے صحیح مسلک پر قائم ہو گیا۔

حضرت مولٰنا کا یہ جہاد جماعتی تاریخ کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اس تاریخی واقعہ کے بارے میں برصغیر ہندوپاک کی معروف شخصیت مولٰنا ابو الکلام آزاد نے اپنے اخبار الہلال مورخہ 25 مارچ 1914ء میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں پیدا ہو گئیں تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان ہیں گو کہ وہ مرزا صاحب کے دعوے پر ایمان نہ لائے ہوں لیکن دوسرا گروہ وہ صاف صاف کہتا ہے کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود ہیں۔ اس گروہ نے انہیں اپنا خلیفہ قرار دیا ہے مگر پہلا گروہ وہ تسلیم نہیں کرتا۔

مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے اس بارے مین جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب وغریب دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار خیال کیا ہے وہ

فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔

غرض حضرت مولٰینا محمد علیؒ کا عزیز وجود دین حقہ اور جماعت احمدیہ کے لئے ایک نہایت قیمتی اور بابرکت وجود تھا جن کا اٹھ جانا مذہبی دنیا اور ہماری جماعت کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا موجب ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہزاروں رحمتیں اور انوار آپ کی روح پُرفتوح پر نازل ہوں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں اپنی جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ حضرت مولٰیناؒ کی یاد کا حق اس طرح ادا کریں کہ ان کے پیدا کردہ لٹریچر کا بار بار مطالعہ کریں۔ ''مجاہد کبیر'' حضرت مولٰیناؒ کی سوانح وسیرت پر ایک ایمان افروز تالیف ہے، اس کو پڑھیں اور اس چراغ سے اپنی زندگی کی راہوں کو منور کرنے کوشش کریں، حضرت مولٰیناؒ کی زندگی مسلسل ایثار و جہاد کی زندگی ہے انہوں نے اپنے علم، قلم، مال اور وقت کی قربانی سے دین و جماعت کی جو خدمت کی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں اور اللہ تعالےٰ کی رضا سے حصہ پائیں۔

برلن مسجد کے جرمن امام کا خط آپ کے والد صاحب کی وفات کی خبر وائس آف امریکہ کے عربی براڈ کاسٹ میں سن کر یقین نہ آیا مگر آج بذریعہ خط تصدیق ہوگئی آپ کا تو باپ فوت ہوگیا لیکن ہمارا تو جان سے پیارا لیڈر اس دنیا سے اٹھ گیا۔ میرے پیارے حامد خدا جانتا ہے کہ میرے دل کی اس وقت کیا حالت ہے۔ میں تہ دل سے آپ کے ساتھ اس غم میں شریک ہوں۔ میرے بھائی میرے دل میں اب صرف یہ تمنا ہے کہ میں کس طرح آپ کے غم کو ہلکا کرسکوں۔

مسٹر ڈی یونگ اور مسٹر ع ایم پی ڈیرن برگ جو کہ انڈین آرمی میں میجر رہ چکے ہیں اور مسٹر رولینڈ جو کہ جنرل الیکٹرک کمپنی میں ایک بہت ہی معزز عہدے پر ہیں لکھتے ہیں:

''ہماری دلی ہمدردی اس صدمے میں آپ کے ساتھ ہے''

اس کے علاوہ اور بھی بہت لوگ ہیں جنہوں نے خطوط لکھے ہیں

حضرت والد مرحوم نور اللہ مرقدہ کے متعلق

اعلیٰ پایہ کے انگریزوں اور امریکیوں کی رائیں

از حامد فاروق مقیم انگلستان فرزندار جمند حضرت امیر رحمتہ اللہ علیہ

انگلستان آکر مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ باہر کے ملکوں میں والد صاحب مرحوم و مغفور کی کس قدر عزت ہے اور یہاں آکر ان کے کام کی عظمت کا اندازہ ہوا۔ کیا ملک عرب کے تاجر اور کیا حکومت شام اور ترکی کے افسر جو کہ یہاں آتے جاتے ہیں۔ سب کے دل میں ان کی محبت اور ان کی کتابوں کی قدر ہے۔ اکثر لوگ تو بعض دفعہ اتنی تعریف کرتے ہیں کہ میں خود حیران رہ جاتا ہوں۔ ذالک من فضل اللہ

آپ کی وفات پر میرے پاس بے شمار خطوط ہر قسم کے لوگوں سے آئے جو کہ ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر رہ چکے ہیں (**صوبہ سرحد کے ریونیو کمشنر اور ریاست بڑودہ کے انگریز ریذیڈنٹ**)۔۔۔آپ کے والد صاحب نے جو کام کیا ہے وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مجھے ان کی وفات کا سن کر از حد صدمہ ہوا۔ اور خاص کر آپ کا خیال آیا۔ یقین جانئے کہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ آپ کا گھر سے اتنی دور اس خبر کو سن کر کیا حال ہوا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ آپ بھی ان کے نقش قدم پر چلیں۔ مہربانی فرما کر میرا اظہار افسوس اپنی والدہ صاحبہ تک ضرور پہنچا دیں اگرچہ وہ مجھے نہیں جانتیں۔

مسٹر جے ٹینڈل جو کہ ہندوستان میں عیسائی مشنری رہ چکے ہیں:

۔۔۔۔یہ تو میرے دل میں تمنا ہی رہے گی کہ آپ کے والد ماجد سے ملتا۔ وہ ضرور ایک بہت ہی عظیم الشان آدمی تھے۔ وہ اپنا ایک بہت ہی گہرا نشان پاکستان اور مسلمانوں پر چھوڑ گئے ہیں۔ اور جوں جوں وقت گذرے گا وہ اتنا ہی زیادہ نمایاں ہوگا۔

مسٹر حسن ایونز ایک امریکن نو مسلم جو کہ امریکن ایئرفورس کے ساتھ انگلستان میں مقیم ہیں:

۔۔۔۔۔مجھے ابھی آپ کے والد صاحب کی وفات کی خبر ملی۔ ایسے وقت میں میرے پاس کوئی الفاظ نہیں کہ اپنے غم کا اظہار کروں اور آپ سے ہمدردی کروں۔ آپ کے اور آپ کے خاندان کے ذاتی نقصان سے زیادہ تو یہ پاکستان کیا سارے عالم اسلام کا نقصان ہے۔

خاکسار۔ حامد فاروق

یادِ حبیب

حضرت امیر مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی پاکیزہ گھریلو زندگی کی ایک جھلک

از بیگم صاحبہ حضرت امیر مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

ستمبر ۱۹۰۹ء کا ذکر ہے کہ میرے والد محترم حضرت ڈاکٹر بشارت احمد رحمتہ اللہ علیہ نے میرے رشتے کی بابت حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں خط لکھا۔ ایک اور رشتہ زیر تجویز تھا اور والد صاحب نے اجازت مانگی تھی مگر حضرت مولانا مرحوم ومغفور نے جواب میں لکھا کہ میری نظروں میں محمد علی سے بہتر اور کوئی انسان نہیں جس سے تعلق جوڑا جائے۔ اباجی نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اس سادگی سے گویا منگنی ہوگئی۔

فروری ۱۹۱۰ء میں اباجی چند دن کی رخصت لے کر قادیان تشریف لے گئے اور نکاح ہوگیا۔

شادی کا تحفہ

۲۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو مولانا محمد علی ایم اے۔ ایل ایل بی ایڈ (ایڈیٹر) ریویو آف ریلیجنز جن کی انگریزی قابلیت اور علم کی تمام یورپ میں دھاک تھی۔ اپنے دودوستوں کی مختصر بارات کے ساتھ بھیرہ تشریف لائے جہاں میرے اباجی تعینات تھے اور اپنی ہونے والی بیوی کے لئے بطور تحفہ ایک نہایت خوبصورت قرآن مجید لائے جو سات مختلف رنگوں میں چھپا ہوا تھا۔ اور حاشیئے پر سنہرے بیل بوٹے بنے تھے۔ شادی میں شامل ہونے والی مہمان خواتین ومرد دولہا کے اس تحفہ سے متعجب تھے۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ یہ ۵۳ سالہ نوجوان ایک دن تمام دنیا کے لئے کلام پاک کے بیش بہا علوم کا دریا بہا دے گا اور کہ اس نے اپنی سب سے محبوب چیز اپنی دلہن کو بطور تحفہ دی ہے۔ مگر میرے لئے یہ کوئی اچنبے کی بات نہ تھی کیونکہ میں نے قریباً چودہ سال تک اس باپ کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی جو عاشق قرآن تھا اور ہوش سنبھالتے ہی میرے کانوں میں درس قرآن کی آواز پڑی تھی۔

یکم مئی ۱۹۴۶ء کو حضرت امیر مرحوم ومغفور نے اس قرآن مجید پر جو شادی پر تحفہ دیا تھا مندرجہ ذیل عبارت اپنی قلم سے لکھ دی۔

تحفہ محبت

جو اپریل ۱۹۱۰ء کے آخری ایام میں شادی کے موقعہ پر میں نے زوجہ ام مہر النساء بیگم کو دیا۔

آج

اس تعلق محبت کی چھتیسویں سالگرہ پر اس پر یہ یادداشت ثبت کی گئی۔ یہی عرصہ میری زندگی کا وہ زمانہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اپنے کلام پاک کی خدمت کا بہترین کام لیا۔ اور زوجہ ام مہر النساء بیگم کی بے نفسی اور محبت کو اس کام کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ فالحمد لہ علی ذالک خاکسار محمد علی۔ یکم مئی ۱۹۴۶ء

حضرت امیر رحمتہ اللہ علیہ بحیثیت شوہر

اپنی ازدواجی زندگی کے اولین ایام میں جس چیز نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر کیا وہ اپنے شوہر کی نیکی اور محبت تھی۔ وہ مجسم اخلاق تھے اور دن بدن ان کی غیر معمولی شخصیت نمایاں ہوتی چلی گئی۔ وہ علم کے شیدائی تھے اور سب سے پہلے انہوں نے مجھے قرآن شریف کا ترجمہ وتفسیر پڑھانی شروع کر دی۔ ساتھ ہی انگریزی بھی شروع کرا دی۔ انتخاب بخاری اور بلوغ المرام بھی پڑھائیں اور ہمارا یہ تعلیمی شغل سالہا سال تک جاری رہا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے سال کے اندر ہی ماں بنا دیا۔ اور چند سال میں ہی کئی ننھی معصوم ہستیاں خداوند کریم نے پرورش کے لئے میرے سپرد کر دیں۔ آپ نے

بچوں کی پرورش میں جس طرح میرا ہاتھ بٹایا اس نے میرے اس یقین کو مستحکم تر کر دیا۔ کہ آپ ایک نہایت محبت کرنے والے شوہر ہی نہیں بلکہ شفیق باپ بھی ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ گھر کے کاموں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ اس زمانے میں کہ وہ قرآن کریم کے ترجمہ کا معرکتہ آلارا کام کر رہے تھے۔ عربی و انگریزی کی متعدد نہایت دقیق و ضخیم کتب زیر مطالعہ تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ اردو ترجمہ بھی زیر قلم تھا۔ سلسلے کے کام جدا تھے۔ درس قرآن مجید بھی دیتے تھے۔ اکثر راتوں کو بیٹھ کر کام کیا کرتے مگر باوجود اس قدر مصروفیت وانہماک کے وہ گھریلو کاموں میں بھی میرا ہاتھ بٹاتے تھے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ پچھلی رات کو نماز تہجد میں مصروف ہیں کہ کسی بچے کے رونے کی آواز سنی۔ سلام پھیر کر آ گئے بچے کے لئے دودھ گرم کر کے دیا یا کوئی اور کام کر دیا۔ اور اسی وقت جا کر پھر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اکتالیس سال کے طویل عرصہ میں ایک بار بھی انہوں نے کسی قسم کی بدسلوکی یا معمولی سی سخت کلامی بھی نہ کی۔ اگر کبھی کوئی غلطی مجھ سے ہو جاتی تو نہایت نرمی سے سمجھا دیتے۔ مقدور بھر مجھے آرام و آسائش پہنچانے کی کوشش کی اور میری ذرا سی تکلیف سے بے چین ہو جاتے تھے۔ آپ کی محبت و نفرت محض خدا کے لئے تھی اور وہ نبی کریم صلعم کی اس حدیث کی زندہ تصویر تھے کہ خیر کمہ خیر کمہ لاھلہ

اکثر اپنے کام خود کر لیتے بلکہ دوسروں کے بھی کر دیتے تھے۔ خانہ داری کے انتظام میں وہ اس درجہ معاون تھے کہ اس طرف سے میں عموماً بے فکر رہتی تھی ہمیشہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی لکھ رکھتے۔ اور مجھے بھی یہی تاکید فرماتے۔ کھانا جیسا برا بھلا پکا کر سامنے رکھا کھا لیا کبھی نقص نہیں نکالا۔ کسی چیز پر نام نہ رکھا۔ چاول کا شوق نہ تھا چپاتی پسند فرماتے تھے۔ مگر جب ان کو پہلے معلوم ہو کہ مجھے چاول پسند ہیں تو خود بھی کھانے شروع کر دیتے اور تاکید کی کہ ضرور پکایا کرو۔ اور مجھے خوش کرنے کو خود بھی تھوڑے سے تناول فرماتے۔ ایک وقت میں ایک قسم کا سالن یا دال نوش فرماتے۔ پرتکلف و مرغن کھانے قطعاً پسند نہ تھے۔ لباس میں نہایت سادگی مگر صفائی کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے۔ اکثر مجھے فرماتے کہ کوئی تین چار آنے گز کپڑا لا کر میرے لئے قمیض پاجامے سلوا دو۔ سفید رنگ پسند تھا اور ہمیشہ لباس سفید لباس پہنا۔ مگر مجھے عمدہ لباس پہننے کی تاکید کرتے۔ فرماتے عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے شوہر کے لئے زیب و زینت کرے۔ ہر کام میں اعتدال مدنظر رکھتے۔ افراط اور تفریط سے نفرت تھی اور اسی طرح نمود و نمائش سے نہایت متنفر تھے۔ غرور، تکبر کبھی چھو کر بھی نہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ اونچے طرہ کی پگڑی باندھنی بھی پسند نہ تھی۔ تیز چلنے کی عادت تھی مگر کبھی اکڑ کر نہ چلے۔ حلیمی بردباری اس قدر تھی کہ کسی قصور پر ناراض نہ ہوتے تھے۔ گھر میں کسی پر رعب نہ جتایا مگر ان کے حسن سلوک کی وجہ سے سب ان کی خوشنودی اور آرام کے ہر وقت خواہاں رہتے تھے۔ گھر میں نوکروں سے لے کر بچوں تک سب کے لئے ان کا وجود نہایت مقدس و محبوب تھا اور ہر ایک ان کی شفقت و محبت پر اعتماد رکھتا تھا۔

میرے متعلق ان کے خیالات اول سے لے کر آخر عمر تک ایسے رہے کہ اگر میرا رُواں رُواں بھی خداوند کریم کا شکر ادا کرے تو بھی کم ہے۔ میں اپنی بے بضاعتی اور ان کی ہر پہلو سے مکمل ہستی کو دیکھتی تو بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر بجا لاتی کہ جس نے مجھے ایسا فرشتہ سیرت شوہر عطا کیا۔ ایک بار ہمیں ایک لمبے عرصہ تک مالی تنگی سے دوچار ہونا پڑا۔ میں اپنے والد کے پاس چند دن کے لئے گئی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی ۔۔۔ زمین میں سے کچھ حصہ فروخت کرنے کا انتظام کیا۔ اور اس طرح کچھ روپے کا انتظام کر کے مجھے خط لکھا جس کی چند سطریں یہ ہیں۔

''یہ آپ کو کوئی تسلی دینے کے لئے نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا پاکیزہ قلب ان باتوں سے بلند تر ہے اور اس دل میں مال کے جمع کرنے کی خواہش نہیں، مال کی آرزو نہیں۔ شاید یہ ڈاکٹر صاحب سے آپ میں متوکلانہ حصہ آیا ہے۔ بہر حال جو قلب مال کی محبت سے پاک ہے وہ ہر آلائش سے پاک ہے اور کوئی دینوی خواہش اس میں کوئی آلائش پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لحاظ سے کہ ایسی مطہرہ زوج اللہ تعالیٰ نے مجھے دی یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک جنت اسی دنیا میں دے دی''

بیمار کی تیمارداری میں خدا نے آپ کو خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ کوئی نوکر بھی بیمار ہوتا اس پر خاص توجہ فرماتے۔ ڈاکٹر بلوا لیتے اگر لمبی بیماری ہوتو تنخواہ کے علاوہ کچھ رقم مزید عنایت فرماتے۔

☆☆☆☆

محترمہ ذکیہ شیخ صاحبہ بنت حضرت امیر مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

ابّا جی

آپ کی یاد اور لمحہ فکریہ

جس عظیم ہستی کو لوگ مجاہد کبیر، مجدّد زماں و مسیح موعودؑ کا محبوب شاگرد، زندہ جاوید، بین الاقوامی عزت وشہرت کا مالک، ترجمہ تفسیر قرآن اور گرانقدر بے مثال اسلامی لٹریچر کا مصنف اور ایسے دیگر اعلیٰ وارفع ناموں سے یاد کرتے ہیں، میرے ابا جی تھے۔ اس نام کے ساتھ ہی طمانیت قلب کا عکس لئے ہوئے ان کا پُر نور باوقار مسکراتا ہوا چہرہ جس پر نرمی اور شفقت بدرجہ اتم نظر آتی تھی۔ میری آنکھوں کے آگے گھوم جاتا ہے۔ بچپن میں تو اپنی اس خوش قسمتی کا احساس ہی نہ تھا۔ لیکن جب خدا نے ان کو اپنے پاس بلالیا اور خود بھی دنیا کے واقعات سے دوچار ہونا پڑا تو احساس ہوا کہ وہ کیا نعمت تھی اور ان کی شخصیت وحیات میں ہمارے لئے کیا پیام اور سبق تھے جن سے استفادہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اسلام کی تعلیم کو بحیثیت ایک مصنف کے جس خوبصورتی اور سادگی سے وہ اسے صفحہ قرطاس پر لائے اور دنیا کے آگے پیش کیا اسی طرح وہ اس پر کاربند اور پابند تھے۔ انہوں نے دین اور دنیا کو جس خوبی سے نبھایا ہے ہم سب کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ بچپن ہی سے ہمیں اسلام سے محبت صرف اس لئے ہوئی کہ ان کا نمونہ ہمارے سامنے تھا۔ مذہب جسے بچے تو کیا بڑے بھی ایک خشک چیز سمجھتے ہیں، ہمارے لئے زندگی سے علیحدہ چیز معلوم نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ہم میں تب ہی یہ احساس پیدا ہوا کہ دنیاوی زندگی کی قدریں مذہب کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں۔ ہم نے زندگی کے سب ہی لوازمات پائے مثلاً تعلیم، تفریح اور باہمی میل جول وغیرہ اور یہ سب کچھ اسلامی تعلیم کے مطابق تھا۔ ایک مذہبی اور دیندار باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہمیں کبھی یہ خیال نہ ہوا تھا کہ مذہب کی وجہ سے ہم کسی دیناوی وابستگی اور نعمت سے محروم ہیں یا دین کے لئے ان کی زندگی وقف ہے تو وہ ہم سے غافل ہیں یا خشک مزاج ہیں۔ بلکہ جب ابا جی کی زندگی کے مشاغل اور واقعات پر نظر ڈالو تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح انہوں نے اسلام کی خدمات اور دنیاوی زندگی کو ساتھ ساتھ نبھایا اور وہ بھی نہایت احسن طریق پر، قرآن اور سنت کے مطابق۔

بحیثیت باپ ہونے کے انہوں نے اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلائی جن میں لڑکیاں بھی شامل ہیں (کیونکہ اس وقت لڑکیوں کی تعلیم کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی تھی بالخصوص مسلمانوں میں) لیکن ساتھ ہی دینی تعلیم کا بھی فکر تھا۔ زندگی کے آخری ایک آدھ سال کی بات ہے کہ میرا سب سے چھوٹا بھائی انگلستان میں تعلیم حاصل کررہا تھا۔ تو ووکنگ سے ڈاکٹر عبداللہ مرحوم کا خط آیا جس میں اس نوجوان بچے کی دینی دلچسپی اور قابلیت کا ذکر تھا۔ وہ خط پڑھتے ہی ابا جی مرحوم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا گویا اسے دنیا کی سب سے بڑی ڈگری مل گئی ہو اور آپ نے گھر میں سب کو وہ خط پڑھ کر سنایا۔

ہمارے کالج اور سکول کے کام میں دلچسپی لیتے تھے۔ پھر رات کو کھانے کی میز پر ان کا معمول تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات اور صحابہ کرامؓ کے تاریخی واقعات سنایا کرتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں علاوہ کئی اور باتوں کے ہمارے دل میں یہ بات بھی نقش ہوگئی کہ ہر کام میں عزت ہے اور اپنا کام خود کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس وقت عام طور پر گھروں میں کافی ملازم ہوا کرتے تھے۔ اگر کوئی گھر میں بیمار ہوتا تو ابا جی دفتر سے لکھتے لکھتے اٹھ کھڑے ہوتے تھے کیونکہ دوا دینے اور ٹمپریچر لینے کا وقت ہوجاتا تھا۔ اگرچہ گھر میں اور بھی کام کرنے والے موجود ہوتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ جب وہ لکھا کرتے

تھے تو میرے اردگرد کی بڑی بڑی کتابیں کھلی رکھی ہوتی تھیں اور وہ یوں منہمک ہوتے تھے گویا انہیں اور کسی بات کی خبر نہیں مگر ہر کام کو خود بخود بغیر کسی کے یاد دلانے کے کرتے تھے خواہ وہ معمول کے مطابق ہو یا غیر مطابق۔

سادہ غذا او جسمانی ورزش کے قائل تھے۔ علاوہ سیر کے گھر میں ہمارے ساتھ ٹینس اور بیڈ منٹن کھیلا کرتے تھے اور اکثر سنجیدہ مذاق بھی کیا کرتے تھے جس سے گھر کی فضا میں خوشگوار شگفتگی سی رہتی تھی۔

وقت کی پابندی اور قوت ارادی کا پورا مکمل نمونہ تھے۔ رات کو وقت پر جلد سونے اور عین اڑھائی بجے رات کو بغیر کسی گھڑی کے الارم کے تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ سردی کے موسم میں خصوصاً اس وقت بچوں کے کمرے میں آ کر ان کے لحاف وغیرہ درست کر دیتے تھے۔ پھر اس کے بعد ایک مدھم میٹھی میٹھی آواز قرات کی سنائی دیتی تھی اور فجر کی اذان تک یہ سماں بندھا رہتا تھا۔ بعد نماز فجر مسجد سے آ کر سیر کے لئے چلے جاتے تھے۔ اور طلوع آفتاب کے معاً بعد گھر واپس آ جاتے تھے اور ہمیں اکثر کہا کرتے تھے کہ فجر کی نماز کے بعد سونا نہیں چاہیے بلکہ کام کاج شروع کر دینے چاہئیں۔ اس ضمن میں مجھے ابھی تک ایک واقعہ یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہم بہنیں کچھ عرصے کے بعد گھر میں اکٹھی ہوئی تھیں اور باتوں میں رات گئے تک جاگنے کی وجہ سے صبح کی نماز وقت پر ادا نہیں کی بلکہ جس وقت ابا جی سیر سے واپس آئے تو ہم نماز پڑھ رہی تھیں اور سورج نکل چکا تھا۔ ناشتے کی میز پر ابا جی عموماً ہم سب سے پہلے آتے تھے لیکن اس دن وہ موجود نہ تھے۔ میں ان کے کمرے میں انہیں بلانے گئی تو ان کے چہرے پر برہمی کے آثار دیکھے وہ بہت کم ناراض اور خفا ہوتے۔ میں نے انہیں کہا کہ ناشتہ تیار ہے تو اب ان کے الفاظ مجھے پوری طرح یاد نہیں مگر یہ یاد رہ گیا کہ انہوں نے اس بات کو سخت ناپسند فرمایا کہ بغیر کسی معقول وجہ کے ہم نے نماز بروقت ادا نہیں کی تھی۔ ان کا انداز اور لب ولہجہ کچھ ایسا سخت بھی نہ تھا لیکن مجھے اپنی غلطی کا احساس اس شدت سے ہوا کہ شاید کسی کی بڑی سے بڑی سرزنش بھی یوں اثر نہ کرتی۔ واپس آ کر اپنی بہنوں کو بتایا کہ ابا جی کی غیر موجودگی کی یہ وجہ ہے۔

غالباً میرے چہرے کا تاثر ابا جی نے دیکھ لیا تھا۔ چند ثانئے کے بعد وہ کھانے کے کمرے میں آ گئے اور ہمارے ساتھ ناشتہ کیا۔ اور اس دوران ہمیں یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ انہیں کوئی ہم سے ناراضگی تھی یا اب ہے۔ ان کے اس طور طریقے سے ان کی رنجش کی عظمت میرے دل میں گھر کر گئی جو آج تک قائم ہے۔ اب میں سوچتی ہوں کہ زیادہ لعنت ملامت کرنے کا نتیجہ ضروری نہیں کہ اچھا نکلے۔

حسن اخلاق کا وہ ایک مکمل نمونہ تھے۔ ان کا دائرہ ملاقات نہایت وسیع تھا کیا احمدیوں میں اور کیا غیر احمدیوں میں یہی وجہ تھی کہ غیر احمدیوں میں احمدیت اس قدر مقبول تھی۔ غیر احمدی مرد اور خواتین ہماری جماعت کو چندے دیا کرتے تھے۔ ہمارے سٹیج پر ان کی تقریریں ہوا کرتی تھیں اور ہمارے عقائد اور کاموں کو وہ علی الاعلان سراہا کرتے تھے۔ پھر ابا جی کی اپنی گفتگو بھی کوئی نہ کوئی قومی و دینی رنگ لئے ہوتی تھی۔ اور کئی سعید روحیں اس طرح ان سے انجانے طور پر مستفید ہوتی تھیں۔ رنجشوں کو دل میں بالکل جگہ نہ دیتے تھے۔ ایک واقعے سے مجھے بہت سبق حاصل ہوا۔ ان کے ایک احمدی دوست کسی بات پر ان سے ناراض تھے اور اس حد تک ناراضگی دکھائی کہ اپنے بیٹے کی شادی پر ابا جی کو نہ بلایا حالانکہ ان کے رشتے داروں نے انہیں کہا بھی کہ یہ اچھی بات نہیں ہے مگر وہ نہ مانے۔ خیر شادی ہو گئی اور ابا جی ان کے گھر انہیں مبارک دینے تشریف لے گئے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو کسی نے کہا کہ ان صاحب نے تو آپ کو بلایا تک نہیں تھا۔ نہ حق ہمسائگی کا خیال کیا اور آپ ان کے گھر انہیں بیٹے کی شادی پر مبارک باد دینے چلے گئے تو ابا جی نے نہایت نرمی سے جواب دیا ''انہوں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا اور میں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا'' اللہ اللہ کیا وسعت قلبی ہے اور کس طرح انہوں نے آئندہ ذاتی رنجشوں کو بڑھنے سے جڑ سے کاٹ دیا۔ ورنہ دنیا میں تو یہ معمولی بات ہے کہ ایک رنجش بڑھتے بڑھتے آئندہ ہزاروں رنجشوں کا پیش خیمہ ثابت ہو جاتی ہے پھر خصوصاً جماعت کا سوال ہوا کہ جس کام میں باہمی تعاون ضروری ہے۔ اس طرح نہ صرف ذاتی بدمزگی قائم رہتی ہے بلکہ اجتماعی طور پر بھی نقصان پہنچتا ہے۔ کاش کہ ہم سب بھی دل میں اتنی ہی وسعت پیدا کریں۔ ہم ایک دینی پلیٹ فارم پر جمع ہیں اور اشاعت اسلام جیسے کام میں اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے آمین۔

عملی طور پر یہ ثابت کر کے کہ اسلام میں کیا سادگی اور جاذبیت ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ پیغام خود مسلمانوں کو اور دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں کو نہ پہنچایا جائے۔ اباجی کا یہ عقیدہ اور یقین تھا کہ قرآن کو دوسروں تک پہنچانا ہمارا کام ہے آگے یہ اپنا کام خود کرے گا۔ اور زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے وصیت بھی یہی کی تھی۔ جب میں نے یہ سنا کہ ان کا یہ آخری پیغام ہے تو اس بات کی صداقت میں مجھے ماضی کے دو واقعات یاد آ گئے ہیں جو شاید بظاہر تو چھوٹے ہوں مگر سبق بڑا دے گئے۔

پہلا واقعہ یوں ہے میں ایف اے کے پہلے سال میں تعلیم پا رہی تھی۔ ہمارے کالج کی پرنسپل ایک انگریز عیسائی خاتون تھی اور نصاب کے ایک مضمون کے سلسلے میں سود اور نفع پر کچھ اس خیال کا اظہار کیا کہ سود اور نفع ایک چیز ہیں اور اسلام اس کو حرام قرار دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمان قوم تجارت نہیں کر سکتی۔ اور اگر ایسا کرے گی تو مذہب کی خلاف ورزی ہوگی۔ خیر کلاس میں تو کسی نے کچھ نہ کہا جب لیکچر ختم ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے آپ کی بات سے اختلاف ہے اور اس کے متعلق اپنے والد سے پوچھ کر بتاؤں گی کیونکہ میرا علم اتنا وسیع نہیں ہے۔

میں نے گھر آ کر اباجی سے ذکر کیا۔ اگلے روز صبح ہی مجھے اباجی نے اس موضوع پر دو تین صفحے اپنی قلم سے لکھے ہوئے دیئے اور پڑھائے اور ساتھ ہی قرآن شریف بھی دیا کہ اپنی پرنسپل کو دے دینا۔ دو تین روز کے بعد پرنسپل نے مجھے اپنے دفتر میں بلایا اور اباجی کا شکریہ ادا کیا کہ اور کہا انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور ساتھ ہی اس نے قرآن شریف اپنے پاس رکھنے کی اجازت چاہی کیونکہ دوسری استانیاں (یہ سب بھی انگریز تھیں) بھی اس کو پڑھنا چاہتی تھیں۔ باقی دو سال کے عرصے میں میں نے محسوس کیا کہ اس نے اسلام کے متعلق کبھی تعصب سے کام نہ لیا اور کلاس میں اس نے دوبارہ اس موضوع پر لیکچر دیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ محترمہ لیڈی محمد شفیع صاحبہ مرحومہ کے صاحبزادے کی شادی پر اباجی نے ریلیجن آف اسلام بطور تحفہ دی۔ کوئی تین چار ماہ بعد موصوفہ محترمہ ہمارے گھر آئیں اور اباجی سے کہا کہ میں خاص طور پر بتانے آئی ہوں کہ میرے بیٹے نے یہ کتاب اس وقت پڑھی جب وہ شادی کے بعد بذریعہ سمندری جہاز انگلستان کی سیر کو بیوی کو ساتھ لے کر گیا اور جہاز میں ہی اس نے تمام کتاب پڑھ ڈالی، او روا پس آ کر کہا کہ مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ اسلام اس قدر آسان اور دلچسپ مذہب ہے اور جب میں اس کتاب کو پڑھتا تھا تو چھوڑنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ وہ صرف یہ بتانے کی غرض سے آئیں تو دیکھئے اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ اگر ہم احمدی اسلام اور قرآن کو دوسروں تک پہنچائیں تو وہ اپنا کام آگے خود نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولوی صاحبان اور علماء کرام نے اسلام کو اس قدر سخت گیر اور پیچیدہ، غیر ضروری مسئلے مسائل میں الجھا ہوا خلافِ فطرت سخت مذہب بنا کر پیش کیا ہوا ہے کہ اسلام کی اصل تعلیم بالکل بگڑ گئی۔ نوجوان اور فہمیدہ طبقہ اس سے متنفر ہو گیا اور مذہب کو ایک ناقابل عمل چیز سمجھنے لگا۔

اسلام کی خوبصورت تعلیم پر یہ بدنما داغ تھے جنہیں احمدیت نے دور کیا جب آپ کے امیر کو اپنی جماعت اپنے بچوں کی طرح بلکہ بچوں سے بڑھ کر عزیز تھی اور وہ ہر وقت اس کی ترقی کے خواہاں اور فکرمند تھے تو کیوں نہ ان کی یاد میں آج ہم پھر اس عہد کی تجدید کریں کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے اور زندگی کے ہر رنگ اور ہر میدان میں ہم اس عہد کے پابند رہیں گے۔

میل جول، رسم و رواج اور دیگر دنیاوی مشاغل میں خدا اور اس کے رسول کے حکم کو سامنے رکھیں گے۔ بچوں کو دینی تربیت خود نمونہ بن کر دیں گے کیونکہ بچپن کے بیتے ہوئے واقعات جو دلوں پر نقش ہو جاتے ہیں آئندہ زندگی میں بنیادوں کا کام دیتے ہیں۔ ہم خود بھی اشاعت قرآن کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں اور خدا سے توفیق پانے کی درد دل سے دعا کریں۔

☆☆☆☆

از: پروفیسر اعجاز احمد سیال صاحب

حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید مرحوم و مغفور

حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب مرحوم و مغفور ۱۳، ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۲ء کی رات اپنی آخری منزل کی طرف رواں ہوئے: ''ہم سب اللہ کی طرف سے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا

غالباً حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کی وفات بھی اسی تاریخ کو ہوئی تھی۔ قدرت الٰہی کا ایک اور حسن اتفاق کہ حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب اور حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تاریخ وفات بھی ایک ہے یعنی ۱۵ نومبر۔

ایک قابل غور بات ان بزرگوں کے متعلق یہ ہے کہ ان کا روحانی مقام نہایت بلند تھا اور ان بزرگوں کی روحانیت کو خدا تعالیٰ نے بلند کرنے کے لئے ان کے امیر بننے سے پہلے انہیں مختلف انداز میں آزمایا۔ حضرت علامہ حکیم مولانا نور الدین صاحب، حضرت مولانا محمد علی صاحب، حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کو تقویٰ اور بصیرت میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے درجات کی بلندی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انہیں ۱۹۴۷ء میں آزمایا۔ نہ صرف گھربار اور کلینک جلا کر خاکستر کر دیا گیا تھا بلکہ روزگار اور اپنا شہر بھی چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی لیکن پھر بھی نہ کبھی کوئی گلہ کیا نہ شکوہ۔ حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کی بلندی درجات کے لئے بھی آزمائش ہوئی۔ انہیں بھی ۱۹۷۴ء میں ابتلاء سے گذرنا پڑا۔ گھر پر حملہ ہوا، کار جلا دی گئی، ریٹائر ہونے پر دارالسلام چلے آئے۔ یہاں پہلے آپ کے جواں سال بیٹے کیپٹن ڈاکٹر آصف حمید کی اچانک وفات کا صدمہ پیش آیا اور کچھ ہی عرصہ بعد حضرت امیر مرحوم کی بیگم صاحبہ بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ گھر کی پریشانیوں میں اضافہ ہوا لیکن آپ نے کمال صبر و تحمل کا نمونہ دکھایا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم سے راقم کی واقفیت اس وقت سے ہے جب آپ ریٹائر ہونے کے بعد دارالسلام میں رہائش پذیر ہوئے۔ اس وقت راقم ایف سی کالج کا طالب علم تھا۔ آپ نمازوں کے لئے نہایت باقاعدگی سے جامع میں تشریف لاتے تھے۔ اس لئے آپ سے روزانہ ملاقات ہو جاتی۔ پھر آپ کے دو بیٹوں آصف حمید مرحوم اور عاصم حمید سے ہم بھائیوں کی دوستی دن بدن گہری ہوتی گئی۔

آپ کے پاس ایک سوزوکی موٹر سائیکل تھی۔ جس پر آپ آصف حمید کو سکول چھوڑ کر آتے۔ ہم نوجوانوں کو جب کبھی بھی موٹر سائیکل کی ضرورت پڑتی تو آپ سے مانگ لیتے۔ آپ نے کبھی بھی انکار نہیں کیا لیکن آپ کیونکہ نہایت بااصول آدمی تھے۔ اس لئے یہ ضرور پوچھتے کہ لائسنس ہے لیکن کبھی چیک نہیں کیا۔

آپ ریاضی کے استاد تھے جبکہ راقم شماریات کا طالب علم تھا۔ راقم کو شماریات کے مضمون میں مشکل پیش آنے لگی۔ آپ سے ذکر کیا تو آپ نے نہایت محبت سے پڑھانا شروع کر دیا۔ راقم سے زیادہ آپ فکر کرتے۔ اگر کبھی غیر حاضر ہوتا تو دوسرے دن غیر حاضر رہنے کی وجہ پوچھتے۔ اسی طرح جماعت کے بعض اور طلباء بھی آپ سے مدد لیتے۔ بعض اوقات آپ جامع میں ہی بیٹھ کر مضمون کے بارے میں رہنمائی فرماتے۔

آپ کی صحت اچھی تھی، آپ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں چھوٹے موٹے اپنے کام خود کرتے۔ یہاں تک کہ گھر کے کام کاج میں بھی آپ کافی ہاتھ بٹاتے۔ گھر کا سودا سلف خود پیدل جا کر دوکان سے خرید لاتے۔ بڑے بڑے دو تھیلے آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہوتے۔ اگر کبھی درخواست بھی کی تو ہنس کے شکریہ ادا کر دیا۔ جب آپ کو جماعت نے امیر منتخب کیا تو بھی آپ کا یہی معمول رہا۔ ہم نوجوانوں نے آپس میں میٹنگ کر کے فیصلہ کیا کہ حضرت امیر کے سودا سلف لانے اور دیگر کاموں میں معاونت کریں گے لیکن عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ میرا کام ہے، اس لئے مجھے ہی کرنا چاہیے۔ ہمارے مخلص بھائی انور علی صاحب جو کہ ہماری جماعت میں نئے نئے شامل ہوئے تھے۔ اس بات سے بہت متاثر ہوئے کہ ہم نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے واقعات سنے تو تھے لیکن یہاں اپنی آنکھ سے سربراہ جماعت کو اس سنت پر عمل پیرا ہوتے دیکھا۔

آپ اپنے گھر کے ملازمین کے ساتھ نہایت ہمدردانہ اور شفقت سے بھرا ہوا رویہ رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ملازمین آپ سے خوش رہتے۔ آپ ان سے ہلکا پھلکا مزاح بھی فرما لیتے۔

آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو جماعت کے پرانے قبرستان میانی صاحب میں آپ کی والدہ کے قدموں میں دفنا دیا جائے لیکن آپ چونکہ دوسروں کی خواہش کا احترام کرتے تھے اس لئے جب آپ نے دیکھا کہ آپ کے بیٹے عاصم حمید

کا اصرار ہے کہ دارالسلام کے قبرستان میں آپ کو دفنایا جائے تو آپ نے اس کی بات مان لی اور اجازت دے دی کہ دارالسلام میں ہی انہیں دفنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو ایک خاص قسم کا رعب عطا کرتا ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے کچھ ایسی ہی شخصیت عنایت کی تھی کہ اپنوں اور غیروں میں آپ کا بے حد احترام اور عزت تھی۔ آپ کے شاگرد بھی آپ کی دل سے عزت کرتے۔ بلکہ آپ کی یونیورسٹی کے بعض رفقاء تو آپ کو فرشتہ کہتے تھے۔ آپ انجینئرنگ یونیورسٹی کی مختلف کمیٹیوں میں رہے۔ ہمیشہ ایک ایک پائی کا حساب رکھا۔ آپ نے احمدیت کبھی نہیں چھپائی۔ اس طرح سے آپ چلتے پھرتے احمدیت کا نمونہ تھے۔ ۱۹۷۴ء میں جب سارے ملک میں احمدیوں کے خلاف تحریک چلی تو آپ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے اندر کالونی میں رہتے تھے۔ طلباء کا ایک جلوس آپ کے گھر بھی بلوہ کے ارادہ سے آگیا۔ آپ گھر میں موجود تھے، مشتعل جلوس نے آپ کی کار کو نقصان پہنچایا۔ پھر آپ کے گھر میں توڑ پھوڑ کرنا چاہتے تھے۔ آپ کمال بہادری سے باہر اس مشتعل ہجوم میں نکلے اور طلباء کے لیڈر کو پکارا کہ کیا بات ہے۔ وہ آپ کا شاگرد بھی تھا۔ آپ کا ایسا رعب اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈالا کہ وہ مزید توڑ پھوڑ کئے بغیر جلوس کو لے کر واپس چلا گیا۔ اور جب دوسرے دن وہی طالب علم لیڈر آپ سے ریاضی کا مسئلہ سمجھنے آیا تو آپ نے کمال ظرف سے بغیر کسی گذشتہ ذکر کے اس کی رہنمائی کی۔ آپ نہ صرف خود عالم تھے بلکہ علم دوست بھی تھے۔ آپ دین کو بھی سوچ سمجھ کر پڑھنے کے عادی تھے اور تحقیق کر کے بات کی تہہ تک پہنچتے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے کہنے پر آپ نے دارالسلام میں مغرب کی نماز کے بعد مختصر تفسیر کے ساتھ درس قرآن دینا شروع کیا۔ دارالسلام کی جامع میں نصیر احمد فاروقی صاحب کی علالت کے دوران کئی کئی ماہ تک جمعہ کا خطبہ بھی دیتے رہے۔ آپ کا خطاب نہایت سادہ مگر علمی ہوتا تھا۔ دوسروں کی تقریریں اور خطبے بھی بڑے انہماک سے سنتے اور بعض اوقات بڑے باریک نقطہ کی طرف توجہ دلاتے۔ ایک دفعہ کسی خطیب نے آپ کا ذکر امیر قوم کہہ کر کیا تو بعد میں آپ نے فرمایا کہ قوم تو ہماری پاکستانی ہے۔ امیر جماعت احمدیہ لاہور کہنا بہتر ہے۔ سالانہ تربیتی کلاس میں ہر سال سوال و جواب کی نشست رکھی جاتی ہے۔ جس میں طلباء و طالبات دین سے متعلق سوالات کے جوابات دیتے رہے۔ جب تک آپ کی صحت اچھی رہی آپ باقاعدہ سوال و جواب کی اس نشست میں شریک ہوتے۔ آپ مشکل سوال کا نہایت آسان اور مثبت جواب دیتے۔

آپ کی توجہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد کے اس دعویٰ کی طرف کافی تھی جس میں آپ نے فرمایا کہ میں ذوالقرنین ہوں اور اس پر آپ نے مختلف جنتریاں بھی جمع کیں اور آپ کا ذاتی خیال تھا کہ غالباً حضرت اقدس ہر لحاظ سے دو صدیوں کے مجدد ہیں لیکن اس مسئلہ میں ہمارے اختلاف کو ہرگز برا نہ مانتے تھے۔ آپ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رعایت دی ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ خواہ مخواہ کی جرح اور جستجو سے اپنے لئے مشکلات نہیں پیدا کرنی چاہئیں۔

''سیدھی بات کہو'' کے قرآنی حکم کی آپ جیتی جاگتی تصویر تھے۔ انجمن کی مجلس منتظمہ اور مجلس معتمدین کے اجلاسوں کے علاوہ بھی آپ اس بات پر سختی سے کاربند تھے۔ جامع دارالسلام کے خطیب محترم راجہ محمد بیدار صاحب رخصت پر گئے تو آپ نے راقم کو کہا کہ تم خطبہ دو۔ میں نے جواب دیا کہ میں تو تجربہ نہیں رکھتا اور نہ ہی میرا اتنا علم ہے۔ تو آپ نے فرمایا خطبہ دو گے تو خود بخود تجربہ ہو جائے گا۔ کتابیں موجود ہیں ان سے تیاری کرلو۔ آپ کی اس کمال محبت اور حوصلہ افزائی کا مجھے بہت فائدہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کام میں مجھے کامیابی نصیب فرمائی۔ الحمد اللہ ذالک۔ آپ ارشاد فرماتے کہ خطبہ اور تقریریں لکھ لینی چاہئیں۔ پہلا فائدہ تو مقرر کو خود ہوتا ہے کہ اس کے پاس ریکارڈ رہتا ہے اور دوسرے احباب کو بھی اس سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

راقم کو جب انجمن نے فجی جماعت کے دورہ کے لئے منتخب کیا تو آپ ہر قدم پر رہنمائی کرتے رہے۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے میں نے دورہ پر نہیں جانا بلکہ آپ نے جانا ہے۔ آپ نے کمال مہربانی سے اپنے ہاتھ سے لکھے مختلف اور درس اور تقاریر مجھے دیں۔ اس کے علاوہ آپ نے وہاں کی جماعت کے لے ایک کیسٹ اپنے ایک ریکارڈ شدہ خطبہ کی تحفہ کے طور پر دی۔ اس اثناء میں آسٹریلیا کے سفارت خانے نے راقم کو ویزہ نہ دیا۔ اب میرے پاس ایسا پاسپورٹ تھا جس پر آسٹریلیا کے لئے اجازت نامہ سے انکار کی مہر لگی ہوئی تھی اور فجی کا ویزہ آسٹریلیا ایئرپورٹ پر ہی دیا جاتا ہے۔ کیونکہ راستہ میں جاپان کا ٹرانزٹ ویزہ نہ تھا اس لئے ڈی پورٹ ہونے یا کسی سزا سے مجھے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ البتہ انجمن کی رقم ضائع ہو جائے گی۔ اس پر آپ نے کمال مہربانی سے فرمایا کہ تو بس تیاری کرو۔ پیسے کی فکر نہ کرو۔ جماعتی کام صرف اس وجہ سے نہیں رکنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ فرماتے روپیہ پیسہ کو جماعت بندی کے لئے استعمال کرنا چاہیے۔ جتنا خرچ کریں گے اللہ تعالیٰ اتنا ہی بڑھ چڑھ کر دے گا۔

نماز کی آپ انتہائی پابندی فرماتے اور بہت اطمینان سے نماز با جماعت ادا کرتے۔ جب آپ کی صحت اچھی نہ رہی اور آپ مسجد میں تشریف نہ لا سکتے تو گھر

میں نماز ادا کرتے۔ اگر کوئی ملاقاتی ایسے وقت میں کہ جب آپ نماز پڑھ رہے ہوتے، ملنے کے لئے آتا تو خدمتگار آپ کے نماز میں انہماک کے پیش نظر ملاقاتی کو آدھ گھنٹے بعد کا وقت دے دیتا۔ مذہب کے معاملہ میں آپ کا رویہ حقیقت پسندانہ تھا۔ آپ جماعت کو پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور ساتھ ہی تہجد کی تلقین بھی فرماتے۔ لیکن تہجد کے بارے میں فرماتے کہ اگر روزانہ اہتمام نہ ہو سکے تو چھٹی کے دن تہجد پڑھیں۔ آپ ہر نماز کے بعد آیت الکرسی اہتمام سے پڑھتے اس سے آپ کے ساتھ والے کو بھی توجہ ہوتی کہ وہ بھی پڑھے۔ آپ چندہ اور زکوٰۃ نہایت باقاعدگی سے ادا کرتے۔ اس کے علاوہ آپ فرماتے جماعت کے لئے اپنی جائیداد کا ایک حصہ ضرور وصیت کریں اور اس خیال سے کہ پتہ نہیں بعد میں اولاد وصیت پوری کرے یا نہ کرے۔ اپنی زندگی میں ہی ہر ماہ قسط وار یہ رقم ادا کر دینی چاہیے۔

جماعت احمدیہ لاہور کی خوش قسمتی ہے کہ اس کو ہمیشہ متقی اور اسلام پر عمل پیرا امیر ملتے رہے ہیں۔ ہم نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کی امارت کے دور نہایت قریب سے دیکھے ہیں۔ سادگی، خدا خوفی ان کا شعار تھا۔ نہ کوئی گارڈ ہے نہ کوئی لمبا چوڑا گھر، دروازہ کھلا ہے جو چاہیے جا کر مل سکتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب امیر چہارم کے گھر جب بھی جانے کا اتفاق ہوا جونہی آپ کو پتہ لگا فوراً بلوا لیا۔ کئی دفعہ آپ کی طبیعت خراب ہوتی تو خود کو احساس ہوتا کہ شاید ہم سے غلطی ہو گئی ہے لیکن آپ نے ہمیشہ ملاقات کا شرف بخشا۔

ان کے خلق اور شفقت کا یہ عالم تھا۔ فوت ہونے سے ڈیڑھ دن پہلے جبکہ آپ کا جسم برف کی طرح سرد تھا، شاید آخری لمحات تھے لیکن پھر بھی آپ نے ناچیز کو ملاقات کا شرف بخشا۔

آپ کی طبیعت اگر اچھی ہوتی تو پھل پیش کرتے۔ البتہ چاکلیٹ کا ڈبہ ہمارے لئے خصوصی کشش کا باعث ہوتا جسے آپ کبھی خالی نہ ہونے دیتے۔ اگر آپ کا حال پوچھا جاتا۔ الحمدللہ کہتے۔ خود آپ بھی جماعت کے لئے دعا کرتے۔ جو بھی آپ کو دعا کے لئے کہتا آپ نام یاد رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال کی یادداشت عنایت کی تھی۔ آپ کو مختلف بچوں اور احباب کے نام یاد ہوتے اور یہ بھی یاد رہتا کہ کوئی کیا کر رہا ہے۔ کیا تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

آپ نے ایک بات وصیت کے طور پر کہی جماعت کا اگلا امیر متفقہ طور پر چنیں اور ہر قسم کے جھگڑے سے اجتناب کیا جائے۔ الحمدللہ آپ کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی اور مجلس معتمدین نے متفقہ طور پر امیر منتخب کیا۔

حضرت امیر رحمتہ اللہ علیہ کی آخری وصیت

حضرت امیر مولانا مولوی محمد علی صاحب ۳۱ مئی ۱۹۵۱ء کو لاہور سے کراچی تشریف لے گئے۔ روانگی سے ایک دن پہلے انہوں نے ایک خط مولانا احمد یار صاحب، سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور کو لکھا جس کے ساتھ دو سربمہر لفافے بھی تھے۔ ان میں سے ایک لفافہ آپ نے بعد میں کراچی میں واپس منگوا لیا۔ دوسرا لفافہ جو قبر کے متعلق تھا۔ آپ کی وفات کے بعد لاہور میں کھولا گیا اور آپ کی منشاء کے مطابق قبر بنوائی گئی۔ حضرت ممدوح کا محولہ بالا خط اور وصیت درباره قبر کا مضمون درج ذیل ہے۔

اخویم مکرم معظم مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

اس خط کے ساتھ دو لفافے سربمہر بھیج رہا ہوں۔ **لاتدری نفس بای ارض تموت** ۔ موت ایک حقیقت ہے جس کے لئے ہر وقت انسان کو تیار رہنا چاہیے اور بالخصوص میرے جیسے عمر رسیدہ مریض کو۔ خواہ میں لاہور میں ہوں یا باہر اگر آپ کو میری وفات کی خبر پہنچے تو سب سے پہلے اس لفافہ کو کھولیں جس پر لکھا ہوا ہے **وصیت درباره قبر** اور اس کے مطابق قبر کے لئے ہدایت کر دیں۔

دوسرا لفافہ ☆ میری وصیت درباره جنازہ اس کو بعد میں بموجودگی چند سرکردہ احباب جو پہنچے ہوئے ہوں کھولا جائے اور مہر انہیں محفوظ دکھا دیں۔ ہاں ان سے یہ درخواست ہے کہ وہ اسے بصیغہ راز رکھیں البتہ عملدرآمد میری اس وصیت کے مطابق ہو یہ میری آخری خواہش ہے۔ مجھے کسی سے عناد نہیں اور سب کی دعائے مغفرت کا محتاج ہوں۔ والسلام۔ خاکسار۔ محمد علی (۱۹۵۱-۵-۳۱)

☆ یہ لفافہ آپ نے وفات سے چند یوم پہلے کراچی واپس منگوا لیا۔

وصیت برائے قبر

''میری مدت سے یہ خواہش رہی ہے کہ میری قبر ایسی جگہ ہو جہاں میں اپنے ان ساتھیوں کے جو مجھ سے پہلے اپنے مولا سے جا ملے ہیں قدموں کی طرف لیٹا ہوا ہوں، لہذا میری یہ وصیت ہے کہ میری قبر اس جگہ ہو جو ہمارے قبرستان کے داخلہ کے دروازہ کے ساتھ ہی دائیں طرف ہے۔ ☆ اور وہاں کم سے کم دو قبروں کی جگہ خالی ہو ایک میری قبر اور ایک میری اہلیہ کی قبر اس کے متعلق اگر انجمن کوئی رقم تجویز کرے تو وہ میری اہلیہ ادا کر دے گی۔ (۱۹۴۴-۵-۳۱)۔ ☆ میرا مطلب اس جگہ سے ہے جہاں چڑھائی چڑھ کر قبرستان میں داخل ہوتے ہیں۔ (۱۹۵۱-۵-۳۱)

ہالینڈ کنونشن اکتوبر 2011ء کی 35 ویں یوم تاسیس کے موقع پر تصویری جھلکیاں

مسجد برلن تصویروں کے آئینہ میں

محترم حاجی ہارون بدلو (چیئرمین ہیگ کنونشن آرگنائزنگ کمیٹی)
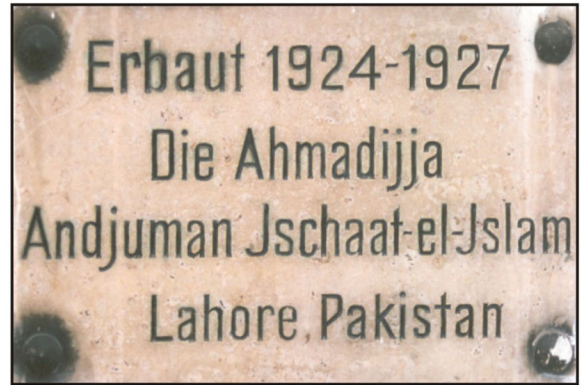
محترم شجاع قاسم (چیئرمین احمدیہ انجمن نیدرلینڈ)

ازقلم: حضرت مولانا حافظ ابوظفر ملک شیر محمد خوشابی مرحوم

حافظ شیر محمد خوشابی رحمتہ اللہ علیہ

سالٹ رینج پنجاب پاکستان کے پہاڑوں کے دامن میں خوشاب ایک چھوٹا سا قدیم شہر ہے۔اس علاقہ میں زیر زمین پانی نمکین یا شورزدہ ہوتا تھا۔اس جگہ میٹھا پانی میسر آیا تو یہ خوش آب کہلایا اور مختصر ہوتے ہوتے خوشاب کہلانے لگا۔اس شہر میں اعوان قوم کے ایک سنی مسلمان خاندان میں تحصیل و تعلیم دین کا بھی نہت التزام تھا۔یہ افراد خانہ بہت مشہور موحد تھے اور راس خاندان نے خوشاب میں پہلی اہل حدیث مسجد تعمیر کرائی تھی۔مولانا کے والد اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے،لیکن وہ اولاد نرینہ سے محرومی کے باعث اکثر اداس رہتے تھے۔مولانا کے نانا اور دادا دونوں ہی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے اور علاقہ میں اپنے علم اور نیکی کی وجہ سے بہت عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔مولانا کے کے والد کی دو دختران تھیں لیکن بیٹا نہ ہونے کے باعث انکو فکر لاحق تھی علم دین کا خاندانی ورثہ کیونکر اگلی پشت کو منتقل ہو سکے گا۔انہوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ سے اولاد نرینہ کے لئے دعائیں کیں اور وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے بیٹے سے نواز دے تو وہ اپنے بیٹے کو دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گے۔اللہ تعالیٰ نے درد دل سے بھری دعائیں قبول فرمائیں اور ایک فرزند پیدا ہوا تو نام شیر محمد رکھا۔

شیر محمد کے والد نے اپنا وعدہ ایفا کیا اور اپنے اس اکلوتے بیٹے کو علم دین جو کہ انکے خاندان کا طرہ امتیاز تھا منتقل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔شیر محمد کی عمر ابھی چار برس ہی کی تھی کہ اسے قرآن پڑھنے کے لئے دیگر بچوں کے ساتھ اپنی خاندانی مسجد میں حفظ کی جماعت میں شامل کیا گیا۔شیر محمد کا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ قرآن کے اسباق کردو تین بار پڑھنے سے ہی سبق حفظ ہو جاتا۔یہ دیکھ کر شیر محمد کو ایک استاد کے پاس قرآن شریف حفظ کرنے کے لئے روزانہ ایک گھنٹہ کے لئے بھیجا گیا۔ساتھ ہی ساتھ دین اسلام کے باقی امور پر تعلیم ان کی خاندانی مسجد میں ان کے والد صاحب،نانا جان اور دادا جان کے پاس ہوتی رہی۔

شیر محمد جب حفظ قرآن کے لئے اپنے استاد کی طرف جاتے تو آتے جاتے ان کی نظر ایک مسلمان دکاندار پر پڑتی جس کو وہ ہمیشہ ہی کتب پڑھنے میں محو پاتے۔بچگانہ جستجو کے مادہ نے چند دن میں شیر محمد کو ابھارا کہ دریافت کیا جائے کہ یہ شخص ہر وقت کیا پڑھنے میں مشغول رہتا ہے۔دریافت کرنے پر اس دکاندار نے جو احمدی مسلمان تھا بتایا کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کی کتب کے مطالعہ میں محو رہتا ہے۔چند سال بعد جب شیر محمد کوئی بارہ برس کے ہو گئے تو انہوں نے اس دکاندار سے درخواست کی کہ وہ ان کو بھی مرزا غلام احمد صاحب کی کتب پڑھنے کے لئے دے۔اس کو ان کتب سے اتنا عشق تھا کہ وہ کتب کسی کو دینے کو تیار نہ تھا مبادا کہ کتب کھو جائیں۔

البتہ اس نے شیر محمد کو اجازت دے دی کہ اس کی دوکان کے ایک کونہ میں بیٹھ کر جتنی دیر چاہیں ان کتب کا مطالعہ کریں۔جب یہ سلسلہ جاری ہو گیا بقول مولانا شیر محمد صاحب کچھ عرصہ بعد وہ مرزا غلام احمد صاحب کے ان دلائل سے متفق ہو گئے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں اور یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں قرآن شریف میں کہیں نہیں پایا جاتا۔شیر محمد یہ مسئلہ اپنے والد اور پھر نانا جان اور دادا جان سے زیر بحث لائے اور مرزا غلام احمد صاحب کے پیش کردہ دلائل سے ان کو بھی وفات عیسیٰ کا قائل کر لیا۔

شیر محمد صاحب کی عمر کوئی سولہ برس ہو گی کہ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے عربی زبان کا سب سے بڑا امتحان مولوی فاضل پاس کیا۔اس کے بعد شیر محمد نے اچھرہ لاہور کے درس نظامی مکمل کیا۔اس دارالعلوم کے پرنسپل دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور دیوبند میں شیر محمد کے نانا کے ہم جماعت رہ چکے تھے۔مولوی فاضل اور درس نظامی کی تکمیل کے بعد شیر محمد اب مولانا شیر محمد بن

چکے تھے اور جلد ہی ان کو مزنگ لاہور کی ایک جامع مسجد میں خطیب اور امام کی حیثیت سے کام کرنے کی دعوت ملی جو انہوں نے قبول کر لی ۔مولانا ایک موحد اور اہل حدیث خاندان کے چشم و چراغ تھے اور انہوں نے اسی ماحول میں ہی پرورش پائی تھی مزنگ کی مسجد بریلوی مسلک کے لوگوں کی مسجد میں نہ چل پائے اور استعفیٰ دے کر اپنے شہر خوشاب لوٹ گئے ۔

دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا شیر محمد نے ایک بار پھر خوشاب کے اس احمدی دکاندار کو مرزا غلام احمد صاحب کی کتب مستعار دینے کے لئے کہا۔اس بار وہ رضا مند ہو گیا اور مولانا نے ایک ایک کر کے مرزا غلام احمد صاحب کی تمام کتب کا مطالعہ کیا۔وہ دل ہی دل میں قائل ہو گئے کہ مرزا غلام احمد واقعی چودھویں صدی کے مجدد اور مسیح موعود ہیں ،لیکن ان تحریروں میں لفظ نبی کے استعمال پر ان کے ذہن میں ایک سوال موجود تھا۔احمدی دکاندار جس کا تعلق احمدیوں کے قادیانی گروپ تھا (جواب ربوہ جماعت کہلاتی ہے) اس نے مولانا شیر محمد کو 1938 میں اس کے ہمراہ قادیان میں ان کے جلسہ سالانہ کے موقع پر جانے کے لئے دعوت دی جو مولانا نے قبول کر لی،مولانا وہاں گئے ،لیکن وہاں کوئی بھی نبوت کے سوال پر مولانا کو تشفی بخش جواب نہ دے پایا۔

اور مولانا واپس خوشاب کی طرف روانہ ہوئے ،راستہ میں لاہور ریلوے سٹیشن پر گاڑی تبدیل کرنے تھی ۔مولانا خوشاب جانے والی گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر ٹہل رہے تھے کہ ان کی نظر اپنے علاقہ کے ایک پٹھان ایک زمیندار پر پڑی ،ملاقات کی ،حال دریافت کرنے پر وجہ سفر بتائی تو اس پٹھان زمیندار نے جس کا تعلق احمدیوں کے لاہور گروپ سے جس کو جماعت احمدیہ لاہور یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام سے پکارا جاتا تھا۔مولانا کو دعوت دی کہ وہ اس کے ساتھ امیر جماعت احمدیہ لاہور مولانا محمد علی صاحب مفسر قرآن سے ملاقات کے لئے چلیں ۔مولانا جو تلاش حق میں محو تھے اپنا سفر ملتوی کر کے ان کے ہمراہ ہو لئے۔ مولانا محمد علی صاحب سے ملاقات ہوئی ،انہوں نے مولانا شیر محمد کو بتایا کہ آیا انہوں مرزا غلام احمد کی تحریرات میں یہ بات پڑھی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نیا یا پرانا آ ہی نہیں سکتا تو پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ لکھنے والا شخص خود مدعی نبوت بن بیٹھے۔مولانا نے بتایا مرزا صاحب کی تحریرات میں ظلی نبی ،مجازی نبی، بروزی نبی ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی وغیرہ کی اصطلاحات تمام صوفیانہ اصطلاحات ہیں جن سے مراد محدثیت ہے نہ کہ نبوت ۔انہوں نے مولانا سے کہ آپ کا نام شیر محمد ہے یہ مجاز ہے ۔آپ فی الوقع شیر تو نہیں ہے بنے ،شیر تو جانور کا نام ہے۔دلیری و بہادری اس کی صفات ہیں والدین نے جب آپ کو شیر محمد کا نام دیا تو ان کا مقصد آپ کو جانور بنانا نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیرت میں شیر جیسی دلیری اور بہادری کی صفات کا آپ میں پیدا ہونے کی خواہش کا اظہار ہے۔

جب کسی لفظ کے معنی پر ایک قسم کی قید نفی لگ جاتی ہے ۔ نبی کو نبی ہی کہا جائے گا ۔اس کو ظلی ، بروزی ،مجازی وغیرہ ہم صفات سہارا لینے کی کیا حاجت اور ضرورت ہے۔صرف غیر نبی کو ایسے صفاتی اضافی الفاظ کے سہارا کی حاجت ہوتی ہے ۔اور اضافی لفظ بذات خود نبوت کی تردید کے لئے کافی ہے۔اس قسم کی دیگر دلائل سے مولانا کو اصل مسئلہ سمجھ آ گیا اور اس بات چیت کے بعد مولانا نے مولانا محمد علی صاحب سے رخصت لی رات لاہور میں گذاری اور تمام رات ان دلائل پر غور کرتے رہے اور دوسری صبح جا کر مولانا محمد علی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہو گئے ۔ خوشاب واپس گئے اور اپنے خاندان کے افراد کو اپنی جماعت احمدیہ لاہور میں شمولیت کی اطلاع دی۔

چند ماہ بعد لاہور واپس آ کر جماعت احمدیہ کی ''مبلغین اسلام'' کی تیاری کی اور جماعت میں داخل ہو گئے ۔مولانا صدرالدین ،مولانا عبدالحق ودیاتھی اور احمد یار خان سے تعلیم حاصل کی ،اور تکمیل تعلیم کے بعد خوشاب واپس لوٹ گئے ۔کچھ عرصہ بعد مولانا محمد علی صاحب نے مولانا شیر محمد صاحب کو بلوایا اور چک نمبر 81 ضلع سرگودھا میں بطور مبلغ اسلام کام کرنے کی دعوت دی مولانا وہاں 1949 تک بطور مبلغ کام کرتے رہے۔

1949 میں لائل پور میں بطور مبلغ اسلام تقرر ہوا 1953 جب مال روڈ لاہور سے ''روح اسلام'' ماہوار رسالہ جاری ہوا تو مولانا شیر محمد صاحب اس کے مدیر بنے اس رسالہ کے چیف ایڈیٹر ''میثاق النبیین'' کے مصنف مولانا عبدالحق ودیاتھی صاحب تھے ۔ان دو ریسرچ سکالرز نے ''روح اسلام'' کو پاکستان کا

سب سے عمدہ دینی رسالہ بنا دیا جس کی اہل علم ودانش میں بہت مانگ ہوئی۔

چند سال بعد مالی مشکلات کے باعث ''روح اسلام'' بند ہوا تو مولانا واپس لائلپور بطور مبلغ اسلام چلے گئے اور وہاں چند سال قیام کے دوران جماعت احمدیہ ربوہ اور غیر احمدی علماء سے مباحثوں میں بڑا نام پیدا کیا۔ بڑے بڑے نامور صاحبان کو مولانا شیر محمد صاحب مباحثہ میں ایسا لاجواب کرتے کہ وہ طفل مکتب نظر آتے۔ ان کے مقابل جو ایک بار مباحثہ کے لئے آیا اس پر مولانا کا ایسا اثر ہوتا کہ عمر بھر کے لئے مولانا کا معترف ہو جاتا اور ان سے دوستی کا دم بھرنے لگتا۔ مولانا صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا آپ نے ہزاروں کتب خود اپنی گرہ سے خرید کر اپنی لائبریری بنائی۔ کتب ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اپنی تمام آمدنی خرید کتب پر صرف کرتے۔ اپنا فالتو وقت کتب کی دکانوں میں کتب کی تلاش میں لگاتے

1960ء میں لاہور جماعت احمدیہ نے ''ادارہ تعلیم القرآن'' بنایا تو مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب اس کے پرنسپل مقرر ہوئے اور مولانا شیر محمد صاحب اس ادارہ میں پروفیسر مقرر ہوئے۔

1970 میں مولانا شیر محمد صاحب جزائر فجی میں مبلغ اسلام کی حیثیت سے گئے اور 1984 تک وہاں تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیتے رہے۔ وہاں سے ''پیغام حق'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے اردو زبان مین اپنی مشہور کتاب ''لا نبی بعدی'' شائع کی۔ ریڈیو فجی پر اسلام پر تقریریں کرتے رہے۔

1984 میں ساؤتھ افریقہ میں سپریم کورٹ کیپ ٹاؤن میں محمد اسمٰعیل پیک کی طرف سے دائر کردہ سول مقدمہ بنام مسلم جوڈیشل کونسل ساؤتھ افریقہ میں اسلام پر ایکسپرٹ گواہ کی حیثیت سے طلب کئے گئے اور مولانا شیر محمد صاحب کی گواہی پر سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں اعلان کیا کہ احمدیہ فرقہ کے لوگ بھی باقی تمام مسلمانوں کی طرح مسلمان ہیں اور ان کو باقی مسلمانوں کی طرح مساجد میں داخلہ، قبرستان میں مدفون ہونے اور دیگر تمام حقوق حاصل ہیں۔ سپریم کورٹ کے عیسائی جج نے اپنے فیصلہ میں مولانا شیر محمد کی دیانت اور علم کو بہت خراج تحسین پیش کیا۔

1987 میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نائب صدر منتخب ہوئے اور 12 ستمبر 1990 یعنی اپنی وفات تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔

1987 میں وہ دوبارہ ساؤتھ افریقہ سپریم کورٹ میں بحیثیت ایکسپرٹ گواہ پیش ہوئے۔ اس بار بھی مقدمہ کا فیصلہ مولانا کی شہادت پر مدعی شیخ محمد جسیم کے حق میں ہوا اور عدالت نے مسلم جوڈیشل کونسل ساؤتھ افریقہ اور شیخ ناظم محمد پر خرچہ مقدمہ کا حرجانہ بھی ڈالا۔

1984 میں مقدمہ میں شہادت کی تیاری کے لئے مولانا اپنے ساتھ چار ہزار سے زائد کتب لے گئے تھے۔ مقدمہ کے فیصلہ پر جب یہ کتب واپس پاکستان لائے تو حکومت پاکستان نے یہ کتب ضبط کر لیں حالانکہ ان کتب میں سے کثیر تعداد ائمہ سلف کی تحریر کردہ کتب تھیں۔

دراصل حکومت پاکستان اور اس کے حواری علماء اس مقدمہ میں فریق مخالف یعنی مدعا علیہان کی سرپرستی کر رہے تھے اور مقدمہ ہارنے کے بعد شاید کتب ضبط کر کے اپنی خفت مٹانے کا سامان کر رہے تھے۔

1987 کے مقدمہ میں حکومت پاکستان کی شریعہ کورٹ کے جج صاحبان اور پنجاب کے ایڈوکیٹ جنرل کے علاوہ سپریم کورٹ پاکستان کے دینی معاملات کے مشیر اور کمیٹی کے مشیر پروفیسر غازی محمود احمد جو فیصل یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر بھی ہیں اور پروفیسر خورشید احمد صاحب جو جماعت اسلامی پاکستان کے نائب صدر ہیں تمام کے تمام مولانا کے مقابلہ میں مدعا علیہان کے سرپرست اور مشیر تھے۔ لیکن مولانا شیر محمد تن تنہا ان سب پر غالب رہے کئی برس سے دل کی بیماری کا شکار تھے۔ آخر کار 12 ستمبر 1990 کو اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆☆

ہومیوڈاکٹر مرزا محمد طارق بیگ مرحوم

مرزا مظفر بیگ ساطع صاحبؒ

میرے والد محترم 1900ء میں ایبٹ آباد مغل گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بعد میں لاہور تشریف لے آئے۔ مولانا محمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے زیر اثر رہے اور مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب سے سنسکرت پڑھی۔ قرآن مجید کے علاوہ ویدوں کا مطالعہ کیا اور عبور حاصل کیا۔ 1940ء کے قریب فجی کی جماعت احمدیہ نے انجمن اشاعت اسلام لاہور کو خط لکھا کہ فجی میں ہندو پنڈتوں نے اودھم مچا رکھا ہے آپ فجی کوئی ایسا مبلغ بھیجیں جسے سنسکرت آتی ہوتا کہ وہ پنڈتوں سے مناظرہ کر سکے اس وقت قادیانیوں کے پاس بھی اس پائے کا مبلغ نہ تھا جس پائے کے مولانا عبدالحق ودیارتھی تھے یا ان کے شاگرد مرزا مظفر بیگ ساطع تھے۔ ساطع صاحب کو اس مشن کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس جمعہ کے خطبہ میں حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب نے فرمایا انسان کی عمر کا چالیسواں سال ہر لحاظ سے بڑا اڈیشنگ ہوتا ہے اور کچھ حوالہ جات بھی دیئے۔

شاید اس وقت کے امیر جماعت مولانا محمد علی صاحب کے ذہن میں بھی کچھ ایسی بات تھی کیونکہ جب ساطع صاحب کو فجی کے لئے منتخب کیا گیا تو ان کی عمر 40 برس کے قریب تھی۔ فجی جا کر ہندو پنڈتوں سے مناظرے کئے اور ان کے ویدوں سے اللہ تعالیٰ اور ان کے رسولؐ کے حوالے دیئے۔ آج کل QTV پر عالم دین ذاکر صاحب ویدوں سے وہی حوالہ جات دے رہے ہیں جو پینسٹھ 65 سال پہلے ساطع صاحب نے دیئے تھے اگر ان پر احمدیت کا لیبل نہ ہوتا تو ان کے کارناموں کا بھی آج ذکر ہوتا۔

فجی ہر سال دریا میں تغیانی آتی بہت سا جانی اور مالی نقصان ہوتا اس سال بھی ایسا ہونے لگا تو لوگوں نے ساطع صاحب سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے واقعہ کی تقلید کرتے ہوئے دریا کے نام خط لکھا اور دریا کی طرف چل پڑے لوگوں نے آپ سے کہا آپ انجمن کی ہمارے پاس امانت ہیں ہم آپ کی لاش کہاں ڈھونڈیں گے آپ نے کہا یہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

دریا میں کھڑے ہو کر خط اس میں پھینکا اور بلند آواز سے کہا اللہ کے حکم سے تھم جاؤ۔ دریا معمول کی رفتار سے بہنے لگا اور پھر کبھی اس دریا میں طغیانی نہ آئی لوگوں نے آپ سے کہا ہم تب آپ کو مانیں گے جب آپ مندر میں جا کر اللہ اور اس کے رسول کا ذکر کریں آپ نے کہا چلیں مندر کے قریب پہنچ کر لوگوں سے کہا آپ باہر ٹھہریں میں مندر میں اکیلا جاتا ہوں۔ مندر میں جو ہندو موجود تھے وہ آپ کے مناظرے سن چکے تھے اور وہ آپ کو جانتے تھے۔

آپ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا میں آج یہاں ایک نقطہ بیان کرنے آیا ہوں ہر مذہب میں عبادت کی طرف بلانے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ کوئی سنکھ سے آواز نکالتا ہے اور کوئی ٹلی بجاتا ہے۔ مسلمانوں میں عبادت کی طرف جو بلانے کا طریقہ ہے وہ بذات خود ایک عبادت ہے یہ کہہ کر بلند آواز سے اذان دینی شروع کر دی۔ اب جو لوگ مندر کے باہر موجود تھے یا وہاں سے گذر رہے تھے مندر سے اذان کی آواز سن کر حیران رہ گئے اور مندر کے اندر گئے تو ساطع صاحب اللہ اور اس کے رسول کا ذکر کر چکے تھے۔ یہ شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے والی بات تھی لیکن وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی اور وہ لوگوں کے ساتھ بخیریت واپس آ گئے۔

ان واقعات کے بعد بہت سے لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے آپ نے اپنی اسی 80 سالہ زندگی میں پونے چار ہزار کے قریب مسلمان کئے۔ آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو چار گولڈ میڈل دیئے جن پر فاتح فجی اور شیر دل وغیرہ کے القاب درج تھے۔

جب آپ فجی سے لاہور واپس آئے تو لاہور ریلوے سٹیشن پر بہت سے احمدی مولانا محمد علیؒ کی قیادت میں موجود تھے۔ سب نے ساطع صاحب کو پھولوں کے ہار پہنائے۔ محمد علی صاحب نے ہار نہ ڈالا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو آپ نے مزاحیہ رنگ میں مسکرا کر کہا یہ فاتح ہے جیت کر آیا ہے اور آپ اس کے گلے میں ہار ڈال رہے ہیں اور انہیں گلے لگا لیا۔ یہ تھیں بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ قادیانیوں نے آپ کے کارنامے سن کر آپ کو خط لکھا اگر آپ ہمارے خلیفہ کی بیعت کر لیں تو ہم آپ کو بہت سی مراعات دیں گے آپ نے جواب دیا آپ لوگوں کا مسیح موعود کے بارے میں عقیدہ درست نہیں ہے اس لئے میں آپ لوگوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔

داؤد غزنوی صاحب نے جلسہ سالانہ میں آپ کی تقریر سنی اور اسے ایمان افروز قرار دیا اور کہا مرزا صاحب مجھے آپ میں بہت سی خوبیاں نظر آ رہی ہیں۔

کاش آپ احمدی نہ ہوتے۔ آپ نے کہا یہ خوبیاں احمدیت کی وجہ سے تو ہیں۔

میاں محمد صاحب نے انجمن سے درخواست کی کہ ساطع صاحب کو لائل پور جماعت کا امام بنا دیں۔ امیر جماعت نے آپ کو لائل پور تعینات کر دیا اور باقی ماندہ زندگی انہوں نے فیصل آباد میں گذاری۔ لائل پور میں مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب کا ایک پنڈت سے مناظرہ تھا لائل پور تشریف لائے مرزا صاحب سے کہا کل میرا پنڈت سے مناظرہ ہے دعا کریں اللہ عزت رکھے۔ آپ نے کہا کس پنڈت سے مناظرہ ہے۔ انہوں نے نام بتایا آپ نے کہا میں اس پنڈت سے مناظرہ فجی میں کر چکا ہوں اور اسے شکست دے چکا ہوں۔ جب وہ اسٹیج پر آپ کے مقابل آئے گا تو میں آپ کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا پھر دیکھنا تماشہ۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ تو پنڈت نے یہ کہہ کر میں ان سے مناظرہ نہیں کروں گا اور باقاعدہ دوڑ لگا دی۔ یہ واقعہ میاں فضل احمد صاحب نے ہمیں سنایا جو اس جلسہ میں موجود تھے۔ آپ نے پارٹیشن کے وقت بہت کام کیا۔ علاقے کے صدر کے طور پر مہاجرین کی بہت خدمت کی اور دو فیملیوں کو اپنے گھر میں پناہ دی۔

آپ ہر دلعزیز تھے۔ غیر احمدی اپنے عزیزوں کا جنازہ آپ سے پڑھواتے۔ ایک جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ یہ احمدی ہے میں اس کے پیچھے نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ آپ نے کہا آپ نماز پڑھائیں میں آپ کے پیچھے پڑھوں گا وہ کہنے لگا مجھے نماز جنازہ نہیں آتی تو ان کے ایک بزرگ نے کہا اگر نماز پڑھنی ہے تو پڑھو ورنہ بیٹھ جاؤ اور آپ سے کہا آپ نماز جنازہ پڑھائیں۔

بحیثیت ہومیو پیتھ بھی آپ کی بہت خدمات ہیں جن کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ 1965ء سے تاحیات ہومیو پیتھی لائل پور ڈسٹرکٹ ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔ 1970ء میں دل کا دورہ پڑا اور ساتھ ہی برین ہیمبرج کا اٹیک ہوا۔ لائل پور ڈاکٹروں کی سمجھ میں مرض نہ آیا تو انہیں سی ایم ایچ لاہور منتقل کرنا پڑا۔ ہم نے ڈاکٹروں سے رپورٹس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ قومے سے باہر آگئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا حیران ہیں یہ شخص رپورٹس کے مطابق زندہ کیسے ہے۔ آپ نے کہا میں نے ابھی دس سال اور جینا ہے۔ میجر ظہیر نے کہا مجھے اپنی زندگی کا پتہ نہیں آپ تو دل کے مریض ہیں۔ آپ نے کہا اللہ آپ کو زندگی دے۔ پھر 1980ء آگیا 23 اکتوبر کو پھر برین ہیمبرج کا اٹیک ہوا۔ 24 اکتوبر صبح کے وقت جمعہ کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ غیر احمدیوں نے فیصل آباد آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی وصیت کے مطابق دارالسلام، لاہور ان کو دفن کیا گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

یوم وصال

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی مرکزی انجمن اور مقامی جماعت احمدیہ، لاہور نے مل کر مورخہ 15 اکتوبر 2011ء بروز ہفتہ یہ دن منایا۔

جلسے کی کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے کیا گیا جو کہ صاحبزادہ مظفر احمد صاحب نے کی۔ ملفوظات نوید احمد صاحب نے پڑھے اور منظوم کلام نہایت ہی خوش کن آواز میں جناب اطہر رسول صاحب نے سنایا۔

مقررین نے نہایت ہی موثر انداز میں حضرت مولانا صاحب کی زندگی اور ان کی خدمات دینیاء کو بیان کر کے اپنے گل ہائے عقیدت ان کی نذر کیئے۔

یہ سچ ہے کہ زندہ قومیں اپنے بزرگوں کی خدمات دینی کو بھلایا نہیں کرتیں اور یوں ان کی یاد کو تازہ کر کے موجودہ اور آنے والی نسلوں کو ان کی تعلیمات سے روشناس کراتی رہتی ہیں۔

مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ جیسے درویش صفت انسان تو صدیوں میں ایک پیدا ہوتے ہیں۔ بلاشبہ آپ نے قرآن کی جو خدمت کی ہے وہ رہتی دنیا تک یاد رکھی جائے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات عالیہ کو اور بڑھائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جناب قاری ارشد صاحب، محترم ایاز عزیز صاحب اور جناب چوہدری ناصر احمد صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی ہی عرق ریزی کے ساتھ تحقیق کر کے مقالے پیش کیئے۔

چوہدری ریاض احمد
اسسٹنٹ سیکرٹری، احمدیہ انجمن لاہور

10 ذی الحجہ 1349ھ
28 اپریل 1931ء

عید الاضحیٰ ہمیں کیا سبق دیتی ہے!

(خطبہ عید الاضحیٰ، حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں۔

ترجمہ: ''اور ابراہیمؑ بھی اسی کے گروہ میں سے تھا۔ جب وہ بے عیب دل کے ساتھ اپنے رب کے پاس آیا۔ جب اس نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا ہے جس کی تم پوجا کرتے ہو۔ کیا تم اللہ کے سوائے جھوٹے بنائے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو۔ تو تمہارا خیال جہانوں کے رب کے متعلق کیا ہے؟ تب اس نے ستاروں کو ایک نظر دیکھا۔ اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ پھر وہ پیٹھ پھیرتے ہوئے اس سے پھر گئے۔ سو وہ ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہُوا اور کہا کیا تم کھاتے نہیں۔ تمہیں کیا ہوا تم بولتے نہیں۔ پھر انہیں زور سے مارنے کی طرف متوجہ ہوا۔ تب وہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ اس نے کہا کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جسے (خود) تراشتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور جو تم بناتے ہو۔ انہوں نے کہا اس کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر اسے شعلے مارتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ سو انہوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی پر ہم نے انہی کو نیچا دکھایا۔ اور اس نے کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے رستہ دکھائے گا۔ میرے رب مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) نیکو کاروں میں سے (ہو) سو ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔ سو جب وہ اس کے ساتھ کام کاج (کی عمر) کو پہنچا اس نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں تو دیکھ تیری کیا رائے ہے، اس نے کہا اے میرے باپ جو کچھ تجھے حکم دیا جاتا ہے، کر، تو مجھے اگر اللہ چاہے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ سو جب دونوں نے حکم مانا اور اسے ماتھے کے بل لٹایا۔ اور ہم نے اُسے پکارا کہ اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچ کر دکھایا، اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ بیشک یہ ایک کھلا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک بھاری قربانی اس کا فدیہ دیا۔ اور ہم نے پچھلے لوگوں میں اس کا (ذکرِ خیر) باقی رکھا۔ ابراہیمؑ پر سلام ہو۔ اسی طرح ہم نیکی کرنے والے کو بدلہ دیتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے اسے اسحاقؑ کی خوشخبری دی ایک نبی (کی) جو نیکو کاروں میں سے تھا اور ہم نے اُسے اور اسحاقؑ کو برکت دی اور ان دونوں کی نسل سے نیکی کرنے والے بھی ہیں اور اپنے نفس پر کھلا ظلم کرنے والے (بھی)''۔

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ ہر سال اس اجتماع عید کے موقعہ پر یہ ایک کہانی یا تاریخی واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس قصہ کا اصل حصہ، جو ان آیات میں مذکور ہے، وہ صرف اس قدر ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کی۔ ان کے ہاں بڑی عمر تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے خدا کے حضور دعا کی۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. اے میرے رب مجھے اچھے کام کرنے والی یا صالح اولاد عطا فرما۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ. ہم نے اس کو ایک بردبار یا حلیم بیٹے کی خوشخبری دی۔ اس کے بعد قرآن کریم نے اس حصہ کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہوا۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ. جب وہ جوان ہو گیا۔ یا کاروبار میں باپ کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اس بھرپور جوانی کے دنوں میں ایک روز بوڑھے باپ نے اپنے اس زندگی کے سہارے سے کہا۔ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ. اے میرے پیارے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے۔ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ میں نے تو یہ نظارہ خواب میں دیکھا ہے۔ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى تو بھی ذرا غور کر لے۔ تیری کیا رائے ہے؟ یہ نوجوان، جس کے اندر جوانی کی امنگیں پیدا ہو چکی ہیں، باپ کے خواب کو سن کر کہتا ہے۔ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ. اے پیارے باپ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے کر گزریئے۔ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ. آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والا پائیں گے۔ اس پر فَلَمَّآ اَسْلَمَا جب دونوں

نے کامل فرمانبرداری کی، ایسے وقت میں جب باپ کے لئے اپنے بیٹے کی خاطر اپنی جان دے دینا زیادہ آسان تھا، اس سے کہ اس کے سامنے اس کا بیٹا قتل ہو۔ اور بیٹا، جو اپنے دل میں ایک شاندار مستقبل اپنی امیدوں اور تمناؤں کا رکھتا تھا، بوڑھے باپ کے ارشاد اور حکم پر جان دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ تو باپ نے اس کو پیشانی کے بل اپنے سامنے لٹا دیا۔ وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ. تو ہم نے آواز دی اے ابراہیمؑ! قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ خواب کا منشا اسی قدر تھا۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ. ہم اسی طرح احسان کرنے والوں کو بدلا دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم سے یہی چاہتا تھا۔ وہ موت نہیں چاہتا۔ بلکہ موت کے لئے تیاری چاہتا ہے۔ وہ تو صرف اتنی بات چاہتا ہے کہ اس کی راہ میں کوئی گردن کٹوانے کے لئے تیار ہو جائے۔ ان آیات میں تو اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ لیکن دوسری جگہ انہی کے متعلق ایک اور واقعہ کا بیان ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور دعا ان الفاظ میں کی ہے۔ اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں آباد کیا ہے۔ اپنی اولاد کو اس سنسان صحرا میں کیوں پھینک دیا؟ اس لئے کہ وہاں تیرا پاک گھر ہے (14: 37-38)۔ اور عرض کیا۔ اے ہمارے رب! تا کہ وہ وہاں تیری عبادت کریں۔ تجھ سے تعلق پیدا کریں۔ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ وہاں سے ایسی نیکی اور ہدایت دنیا میں پھیلے کہ لوگ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے ان کی طرف جھک آئیں۔ جب میں نے تیری رضا کی خاطر اس بے آب و گیاہ صحرا میں اپنی اولاد کو پھینک دیا ہے، اور اس نے تیری خاطر وہاں دکھ اور مصیبت کو برداشت کیا ہے، تو پھر تو بھی ان پر رجوع برحمت ہو کر لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کر دے۔ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ ان کو پھل عطا فرمایا لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ. تا کہ وہ تیرے شکر گزار ہوں رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِىۡ وَمَا نُعۡلِنُ . اے ہمارے رب! جو ہم مخفی نیت اور ارادے رکھتے ہیں، تو ان کو جانتا ہے۔ اور جو ہم عمل کرتے ہیں ان کو بھی تو جانتا ہے۔ وَمَا يَخۡفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ اللہ پر تو آسمان اور زمین کی کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق یہ دو واقعات ہیں۔ جن کا ذکر قرآن شریف میں آتا ہے۔ ایک تو خواب کا واقعہ ہے۔ اور دوسرا یہ واقعہ ہے۔ جس میں اپنی اولاد کو ایک سنسان بیابان میں خدا کے لئے چھوڑ دینے کا ذکر ہے۔ ایک جگہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو اگر ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور بیٹا بھی اس پر اپنی فرماں برداری کا پورا حق ادا کر کے ان کے سامنے اپنی گردن رکھ دیتا ہے، تو دوسری جگہ وہ اس کو ایک خوفناک صحرا میں چھوڑ کر موت کے منہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ جہاں نہ کوئی آبادی ہے نہ کھانے پینے کے لئے کوئی چیز ہے۔ وہاں چھوڑنے میں صرف ایک غرض ان کے دل میں ہے کہ خدا کا پاک گھر یا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا پہلا گھر وہاں ہے۔ گویا خدا کے سوا کوئی چیز وہاں موجود نہیں۔ وہاں وہ اپنے پیارے بیٹے کو پھینک دیتے ہیں۔

ذرا غور کرو کہ یہ ذبح کرنے کے برابر ہے یا نہیں؟! پھر اس واقعہ کو حدیث کے ان الفاظ کے ساتھ ملا کر دیکھو، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہؑ، ایک بیکس اور کمزور عورت کو، حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ اس بے آب و زرع وادی میں چھوڑ کر خود واپس ہوتے ہیں، تو حضرت ہاجرہؑ ان سے پوچھتی ہیں کہ کیا آپ خدا کے حکم سے ہمیں یہاں بیابان میں چھوڑ کر جاتے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ ہاں۔ تو اس پر اس ایمان کی انتہاء اور صبر کی غایت عورت نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر کیا مضائقہ ہے! آپ جائیے۔ وہی خدا ہمارا یہاں حافظ و ناصر ہو گا! اگر وہاں حضرت اسمٰعیل ذبح ہونے کے لئے چھری کے آگے اپنی گردن رکھ دیتے ہیں، تو یہاں گویا فی الواقع ان کو ذبح کر دیا گیا۔ یا موت کے منہ میں دے دیا گیا ہے۔ اور ذبح ہونے کا خواب یہاں حرفاً حرفاً پورا ہو گیا۔

مگر اس طرح حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کی غرض کیا تھی؟ نسلِ انسانی کا خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنا۔ بیت الحرام کے پاس رکھنے میں یہی غرض تھی۔ اسی لئے دوسری جگہ اس پاک گھر کی تعمیر کا بھی ذکر ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں مل کر اس گھر کو بناتے تھے۔ اور اس کی تعمیر کے ساتھ ہی دونوں باپ اور بیٹا مل کر دعائیں بھی کرتے جاتے تھے۔ اے خدا! تو ہماری محنت کو قبول فرما۔ اور یہاں ایک رسول بھیج کر ہدایت کے چشمے سے دنیا کو سیراب فرما۔ پس حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کے نیچے اصل حقیقت یہی تھی کہ دنیا میں توحید کا ایک عظیم الشان مرکز قائم ہو۔ اس کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ایک وادی بے آب و گیاہ

میں رکھ کر ذبح کرنے کے خواب کو اس دوسرے رنگ میں بھی پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا اور اسے ہمیشہ کے لئے زندہ رکھا۔

اس سے بتانا یہ مقصد ہے کہ دنیا میں جو شخص کوئی بڑا کام کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے۔ ایسے لوگ کبھی مرتے نہیں۔ وہ اور ان کا کام حیات دوام حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ پر اعلیٰ درجہ کے ایمان کا نمونہ دکھایا۔ اب یہ ابراہیمؑ اپنے اس ایمانی نشان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور اس یادگار کو ایسے طور پر ایک قوم کے عمل میں رکھ دیا، جو آج تک قائم ہے۔ یادگاروں اور نشانوں کے قائم کرنے کی اصل غرض قوموں کے اندر انہی جذبات کو پیدا کرنا ہے، جو ان بزرگوں کے اندر موجود تھے، جن کی وہ یادگار ہیں۔

اس واقعہ کے بیان کرنے سے قرآن کریم کا منشاء بھی کوئی کہانی سنانا نہیں۔ اصل غرض مسلمانوں کے اندر وہی جذبہ اور ہمت پیدا کرنا ہے، جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے اندر موجود تھا۔ اس غرض کے لئے قومیں بڑے لوگوں کے مجسمے بنا دیتی ہیں۔ سوانح حیات لکھ دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ایک مثالی صورت اس واقعہ کی رکھ دی ہے کہ ہمارے اندر وہی بلند جذبات پیدا ہوں۔ انسان فی الحقیقت جذبات ہی کی چیز ہے۔ وہی شخص بڑا ہے، جس کے جذبات بڑے ہیں۔ انسان کے بڑے یا چھوٹے ہونے کا معیار اس کے جذبات ہی ہیں۔

یہ خوب یاد رکھو کہ انسان اعلیٰ جذبات ہی سے بڑا بنتا ہے۔ پس تم لوگ اعلیٰ جذبات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تو اللہ تعالیٰ ان پر اعلیٰ نتائج اور ثمرات پیدا کرنے سے کسی کو محروم نہیں رکھتا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم میں ان اعلیٰ جذبات کی کمی ہے۔ اگر مسلمان باپ اور ان کے فرزند اپنے دلوں میں ان جذبات کو پیدا کریں، جو قوم کی حفاظت اور قومیت کے لئے ضروری ہیں، تو مسلمانوں کی پستی کی حالت بدل سکتی ہے۔

لیکن بدقسمتی سے مسلمان تنگ نظر ہیں۔ وہ یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ آج کے بعد انہیں کیا پیش آنے والا ہے! حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند مقام دیا ہے کہ آج ہم سب لوگ ان پر درود بھیجتے ہیں۔ اور یوں دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اسی طرح درود بھیج جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر درود بھیجا۔ انبیاءؑ میں حضرت ابراہیمؑ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اور جو قبولیت آپؑ کو دنیا میں حاصل ہوئی ہے، وہ بہت ہی وسیع ہے۔ عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں تینوں قوموں کے نزدیک وہ واجب الاحترام ہیں۔ اور یہی وہ تین قومیں ہیں، جن کو اکھٹا کیا جائے تو دنیا کی ایک بہت بڑی اکثریت بن جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت بھی انسان کی بلند خیالی اور اعمال حسنہ کی وجہ سے ہی ملتی ہے۔

ہزاروں سال کے بعد آنے والے نتائج حضرت ابراہیمؑ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ وہ نسل انسانی کی بہتری کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ کہ ہزاروں سال بھی ان کی نگاہ میں کوئی روک نہیں۔ آپ ایک صحرا ریگ زار میں عبادت کا ایک مرکز قائم کرتے ہیں۔ اور اس کی آبادی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہزار ہا سال بعد اس کو کس قدر قبولیت بخشتا ہے! کہ اسی صحرا میں جہاں کھانے اور پینے کا کوئی سامان نہیں، لوگ لکھوکھا کی تعداد میں کس طرح دوڑے چلے آتے ہیں! اور پھر اس کا دائرۂ عمل قیامت تک جاری وساری ہے۔ پہلے تمام کا تمام عرب اس کی طرف کھچا چلا آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا. (125:2) اسی ریگ زار اور بے آب وگیاہ وادی پر وہ وقت بھی آیا، جب ہم نے اس کو لوگوں کے لوٹ لوٹ کر آنے کی اور امن کی جگہ بنا دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اس کی طرف لوگوں کی کشش صرف عرب تک ہی محدود نہ رہی، بلکہ اس کا اثر دنیا کے کناروں تک پھیل جاتا ہے۔ اور ایک ہی مرکز توحید تمام دنیا کے لئے قرار پا جاتا ہے۔

خدا کی توحید اور نسل انسانی کی مساوات دو ہی چیزیں ہیں، جو امن عالم کی بنیاد ہیں۔ انہی دو چیزوں کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مرکز کو قائم کیا تھا۔ اور یہی دو چیزیں ہیں جن کا اعلان ہر سال دنیا میں صرف ایک مرکز سے ہوتا ہے۔ وہی توحید کا مرکز ہے اور خالص مساوات نسل انسانی اسی سے وابستہ ہے، جس نے قومیت اور نسل کی تمام امتیازی خصوصیات کو دور کر دیا ہے۔

نسل انسانی پر دو ہی وقت دنیا میں کامل مساوات کے آتے ہیں۔ ایک پیدا ہوتے وقت دوسرے مرتے وقت سب برابر ہوتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ تیسرا ایک اور بھی موقع ہے، وہ حج ہے۔ جس میں انسان کے بنائے ہوئے

امتیازات لباس، قطع، وضع اور زینت کے سامان مٹا دیئے جاتے ہیں۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں، جو اسلام نے کیا ہے۔ تمام دنیا کے خداؤں اور معبودوں کو مٹا کر ایک کر دیا۔ اور نسل انسانی کے سارے امتیازات مٹا کر سب میں حقیقی مساوات پیدا کر دی۔ یہی دو چیزیں دنیا میں امن قائم کر سکتی ہیں۔ یعنی ایک توحید الٰہی اور تمام بتوں اور بت پرستیوں سے انسانوں کو پاک کرنا، دوسرے انسانوں میں کامل مساوات پیدا کرنا۔ اسی لئے دونوں جگہ، یعنی جہاں کعبہ کے ذکر میں اسے توحید کا مرکز قرار دیا ہے، وہاں بھی امن کا ذکر ہے اور جہاں اسے لوگوں کا مرجع قرار دیا ہے، وہاں بھی امن کا ذکر ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. (35:14) اور دوسری جگہ ہے وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا. (2:125) بہر حال اصل سوال یہ ہے کہ ہمارے سامنے یہ قصہ کیوں دہرایا جاتا ہے؟ الفاظ میں بھی اور مثال میں بھی۔ اس کی غرض یہ ہے کہ ہم بھی ابراہیم اور اسمٰعیل بنیں۔ گویا یہ دن ہر سال یہ آواز دیتا ہے کہ اگر کوئی بوڑھا ہے تو وہ ابراہیم بنے۔ اور اگر کوئی جوان ہے تو اسمٰعیل بنے۔ خدا کے لئے اور اسلام کے لئے۔ وہ اگر بیٹے کے ساتھ تعلقات محبت پر چھری رکھ دے، تو نوجوان بھی اپنی گردن کو اس کے سامنے جھکا دے۔ بلکہ نہایت دکھ اور مصیبت سے جلاوطنی کے لئے بھی تیار ہو جائے۔ اگر اس وقت دنیا میں بُت پرستی کا زور تھا تو آج بھی وہی کفر اور شرک موجود ہے۔ اس وقت ظاہری بت تھے۔ مگر اب دلوں کے اندر خواہشات کے خطرناک بت ہیں۔ ان بتوں کو توڑ کر وہ، جو توحید اور وحدت نسل انسانی کا کوئی مرکز قائم کر دیتا ہے، وہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیل کا رنگ حاصل کر لیتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے وجود میں نسل انسانی کی خدمت کا سبق ہے۔ جو ایک بہترین مقام ہے۔ بیٹے کا مقام کیا ہے؟! وہ کامل فرمانبرداری اور ایثار کا مقام ہے۔ جب ان کے باپ نے کہا فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (37:102) ذرا غور کر کے مجھے بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟! گویا باپ اس کو مجبور نہیں کرتا۔ جہاں باپ کا یہ فرض ہے کہ وہ جوان بیٹے کی رائے کی قدر کرے، وہاں بیٹے کا بھی فرض ہے کہ وہ خدا کے حکم کے سامنے باپ کے کہنے پر اپنی گردن رکھ دے۔ باپ صرف خدا کے حکم کو بتا دے۔ اولاد غور کرے۔ سوچ لے وہاں تو صرف ایک خواب تھا، جس کی بنا پر باپ بیٹا یوں قربانی اور ایثار پر تیار ہو گئے۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے تو واقعات ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تمہاری قوم مرتی جا رہی ہے اور برباد ہو رہی ہے۔ صرف اس لئے کہ اس میں قوم کے مفاد کے لئے کام کرنے والوں کی بہت قلت ہے۔ قوم صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے، کہ اس میں بچانے والے پیدا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا مرتبہ تو بہت بڑا ہے۔ اور قوم میں اکثر اس کے پائے کے اہل نہیں۔ لیکن جب بہت سے آدمی مل کر ایک نیکی کی خدمت بجالائیں تو بھی نیکی کا ایک نمایاں رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ تم میں سے ہر شخص حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل نہیں بن سکتا۔ مگر تم سب کے مل کر کام کرنے سے وہی نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے۔

مختلف قومیں اور طاقتیں تمہارے خلاف کام کر رہی ہیں۔ زمانہ خود تمہارے خلاف چل رہا ہے۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ. (103:1-2) ہر کام نہ کرنے والے کے لئے زمانہ کی شہادت یہی ہے کہ وہ انسان گھاٹے میں ہے؟ اس کو تم کس طرح مفید بنا سکتے ہو؟ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ. (103:3) اگر تم کام میں لگ جاؤ یا اس کو کام میں لے آؤ، تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس طرح سے وہ تمہارا دوست بن سکتا ہے۔

مسلمان سب سستی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو وقت ضائع ہو رہا ہے، اس کو وہ بچا نہیں سکتے۔ اس سستی کو آج ہی سے چھوڑ دیں۔ کوئی مسلمان نہیں جس کو ایک آنہ ماہوار دینا مشکل ہو۔ سکول کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی دے سکتے ہیں۔ اگر آج تم اس کے لئے ہمت دکھاؤ گے، تو تمہاری کوشش سے یہ قطرہ قطرہ مل کر بہت جلد ایک ایسا دریا بن جائے گا، جو ہمیشہ چلتا رہے گا۔ اس وقت بلاشبہ یہ ایک قطرہ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں، لیکن آئندہ اس کا فائدہ محسوس ہوگا۔

آج میں اس عید کے موقعہ پر ایک اور درخواست کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میں تمہاری زندگی کا کچھ حصہ مانگتا ہوں۔ جو خَالِصًا لِلّٰہِ ہو۔ ہر روز صرف پندرہ منٹ کا سوال ہے۔ جو تمہاری شبانہ روز زندگی کا صرف سواں حصہ بنتا ہے۔ یہ بھی کوئی بڑا مطالبہ نہیں۔ خوب یاد رکھیئے کہ یہ حقیر سا وقت ہے۔ مگر اس کو روزانہ جمع کیجئے۔ اور پھر لاکھوں انسان کے منٹوں کو جمع کیجئے، تو بہت بڑا کام اس میں ہو سکتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی خدمت مخلوق خدا اور مسلمانوں کے فائدہ کا کام کیجئے۔ تو یہ بھی بہت بڑا مؤثر ذریعہ ہے۔ قوموں اور جماعتوں کے متحدہ کام میں اللہ تعالیٰ

برکت دیتا ہے۔ اگر کوئی روزانہ پندرہ منٹ نہیں دے سکتا تو وہ ہفتہ میں دو گھنٹے اس کے دے دے۔ اور اگر کوئی ایسا ہی مصروف ہے تو وہ مہینہ میں ایک دن خدا کے لئے، خدا کے دین کے لئے اور اسلام کے لئے وقف کر دے۔ اس دن وہ مخلوق خدا کی خدمت کا کوئی کام کرے۔ یہ چھوٹی سی حرکت بھی قوم کو بہت فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ اشاعت اسلام کے سینکڑوں طریق ہیں۔ ہر شخص ہر رنگ میں اسلام کی خدمت کر سکتا ہے۔ عورتیں اور بچے سب اس تحریک میں حصہ لے سکتے ہیں۔ جن کی سمجھ میں کوئی کام خدمت اسلام نہ آئے وہ میرے پاس آ کر پوچھ سکتے ہیں۔

غرض حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا رنگ کم و بیش ہر شخص اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ جو شخص اس نمونہ سے سبق نہیں لیتا، اسے اس قصہ کے ہر سال سن لینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ پندرہ منٹ روزانہ یا ہفتہ میں دو گھنٹے یا مہینہ میں صرف ایک دن خدا کے کسی کام کے لئے وقف کر دے۔ یہی اصل کام ہے۔ وقت کی یہ قربانی مسلمانوں کے لئے کامیابی کے رستے کھول دے گی۔ اس وقت مخلوق خدا کی بہتری کا کوئی کام کرنا مسلمانوں کو دنیا میں بھی معزز بنا دے گا۔

اس کے علاوہ دو باتوں کی میں اور بھی تاکید کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک تو جمعہ کی نماز ہے جس کی تاکید قرآن شریف میں کھلے طور پر موجود ہے۔ اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الۡبَیۡعَ. (9:62) جمعہ کے دن جب تم کو نماز کے لئے بلایا جائے تو اپنے کاروبار کو چھوڑ کر اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آؤ۔ مسلمانوں میں سے یہ عادت جاتی رہی ہے۔ حالانکہ انہیں جمعہ کے دن مسجدوں کی طرف دوڑنے کا حکم تھا۔

جمعہ کا تعلق قوم کی بہتری کے ساتھ ہے۔ مسلمانوں نے اس کا فائدہ شاید بہت کم سمجھا ہو۔ لیکن بنگال کے ایک ہندو سپرنٹنڈنٹ مردم شماری نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی بنگال میں دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر نماز جمعہ کی پابندی قوم کی زندگی کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس دن تمہاری ساری قوم میں خطیب ایک ہی جذبہ پیدا کر سکتا ہے۔ مگر آج بڑے بڑے مسلمان مسجدوں میں جا کر نماز جمعہ میں شامل ہونے کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ اور بیکار بیٹھے رہتے ہیں، مگر مسجد تک جانے کی توفیق نہیں ملتی۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے بڑے آدمی اپنے بھائیوں کے لئے نیک نمونہ قائم کریں۔ اور جمعہ میں غیر حاضری کسی صورت میں نہ ہونے دیں۔

دوسرا امر، جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ ہر ایک احمدی، بڑا ہو یا چھوٹا چندہ میں سستی نہ کرے۔ اور کبھی اپنے ذمہ بقایا نہ ہونے دے۔ جماعت میں ابھی بہت لوگ ہیں، جو اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ وہ یاد رکھیں کہ وہ نہ صرف اپنے مقصد کے خلاف کر رہے ہیں، بلکہ جماعت کو اپنے ہاتھوں سے کمزور کر رہے ہیں۔ تھوڑا بہت جو کچھ کوئی دے سکتا ہے، دے دے۔ اس کے ساتھ ہی ایک آنہ والی تحریک میں ہر ایک احمدی فرد حصہ لے۔ ہر ایک بچہ اور طالب علم بھی اس میں شریک ہو۔ کوئی شخص اس سے خالی نہ رہے۔ جو لوگ اس امر میں سستی دکھا رہے ہیں، وہ جماعت کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ قوم اور اسلام کے ساتھ غداری کر رہے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیوفائی کر رہے ہیں۔ زبانی کلمہ پڑھنے سے کیا فائدہ، جب تم عملی طور پر اسلام کی تائید میں کوئی حصہ نہیں لیتے؟!

(اس کے بعد حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی خدمات، ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی سعادت اور ان کے اسم بامسمّٰی ہونے کا ذکر کر کے ان کی اور رحمت خاں بدر اور خان میر اکبر خاں کی صحت اور جماعت میں باہمی اتحاد و اتفاق کے لئے دعا کی گئی۔ مدیر۔ پیغام صلح 3 مئی 1931ء)

محترمہ مس فاطمہ جناح صاحبہ کا خط

16 اکتوبر 1951ء

بیگم محمد علی صاحبہ

آپ کے رفیق حیات اور قوم کے دیرینہ حضرت مولوی محمد علی صاحب کی وفات کی اطلاع سے نہایت ہی ملال ہوا۔ اس المناک ساعت میں میری دلی ہمدردیاں آپ اور مرحوم کے دیگر پسماندگان کے ساتھ ہیں۔

خدا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کی شریک غم

فاطمہ جناح

مختصر رپورٹ از ہوپ بلیٹن (امریکہ)

احمدیہ انجمن (لاہور) ہالینڈ کنونشن 2011ء کی جھلکیاں

ترتیب وتدوین: ارشد علوی

16 اکتوبر 2011ء ایمسٹرڈیم میں محترمہ شاردا پوٹیا صاحبہ صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے یوں خطاب فرمایا

''جناب محترم عزیز م صدر احمدیہ انجمن لاہور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ ہالینڈ کی ذیلی جماعتوں کے صدور اور بیرونی ممالک سے آئے ہوئے تمام مہمانوں کو اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ سب سے پہلے میں اپنے بورڈ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ جس نے مجھے سٹیج پر آنے کا اعزاز بخشا اور آپ کو اپنی مسجد میں خوش آمدید کہتے ہوئے انتہائی خوشی ہو رہی ہے۔ اب میں محترم حاجی رمضان صاحب سے پروگرام شروع کرنے کے لئے دعا کی درخواست کرتی ہوں۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے مجھ سے رابطہ کر کے اپنی مسجد کے دورے کی دعوت دی جسے میں نے بخوشی قبول کیا یہ میرے لئے بڑا عزت افزائی کا مقام ہے۔ آج کی مجلس میں حضرت امیر ایدہ اللہ، محترم عامر عزیز صاحب جنرل سیکرٹری اور لاہور سے دیگر مہمان، انگلستان سے محترم جواد احمد صاحب اور دیگر مہمان، سرینام سے محترم رابرٹ بیپٹ اور محترم شان۔ ایم۔ رمضان کے وفود شامل ہیں۔ وقت کی کمی کے باعث پُر بحث موضوعات سے جلسہ کا آغاز کریں گے۔

جماعت کے آئندہ پروگرام پر روشنی ڈالی گئی جو کہ درج ذیل ہے۔

ا۔ جماعت کے منتشر گروپوں کو یکجا کرنے کی کوششیں جاری رکھی جائیں گی۔

۲۔ مسجد کے لئے نئی جگہ خریدنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کی زیادہ گنجائش ہوگی۔ جمعہ کی نماز میں آسانی ہو۔ بوڑھے، جوان، بچوں کے مل بیٹھ کر تبادلہ خیال کرنے کی جگہ ہوتا کہ ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کر سکیں اور اسی طرح کمپیوٹر کے اسباق، کھانا پکانا پھر مل بیٹھ کر کھانا اور درسِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہو۔

۳۔ ہمیں ابھی سے تیاری شروع کر دینی چاہیے جس پر تمام ذیلی جماعتوں کو کاربند ہونا چاہیے اس کے لئے کل تمام نمائندوں سے مل کر اس پر اتفاق ہوا اور فیصلہ ہوا کہ اردو، عربی کی تعلیم کے لئے ایک امام کی ضرورت ہے جو کچھ لوگوں کو پڑھائے جس کے لئے ایک یکساں تربیتی پالیسی تشکیل دی جائے گی۔

14 اکتوبر 2011ء کنونشن کا دوسرا دن ہالینڈ کے شہر ہیگ میں منعقد ہوا جس کا اہتمام جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) نیدرلینڈ نے کیا تھا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے نائب صدر میاں عمر فاروق صاحب ان کی اہلیہ صاحبہ، بریگیڈئر (ر) محمد سعید صاحب، ان کی اہلیہ صاحبہ اور جنرل سیکرٹری عامر عزیز صاحب کی معیت میں شرکت کی۔

کنونشن کے افتتاحی دن مسجد قبلتین میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے نیدرلینڈ میں جماعت کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔ مورخہ 14 اکتوبر 2011ء کو خطبہ جمعہ دیا اور نماز کی امامت فرمائی۔ شام کو حضرت امیر ایدہ اللہ نے ''ہم کون ہیں'' اور ''پرامن لوگوں کے بارہ میں کیا حکم ہے'' کے موضوع پر کافی تفصیل سے روشنی ڈالی۔

محترم شیخ عمر فاروق صاحب نے مختصراً فرمایا کہ مجھے پہلی دفعہ ہالینڈ میں اس بین الاقوامی کنونشن میں شرکت کر کے انتہائی خوشی ہوئی ہے اور یہاں کی جماعت کا انتہائی مشکور ہوں جس نے یہ اہتمام کیا ہے۔ اور برلن مسجد کی مرمت اور تبلیغ کے لئے ایک خطیر رقم دینے کا وعدہ کیا۔ جزاک اللہ۔

جنرل سیکرٹری عامر عزیز صاحب نے مرکزی انجمن (لاہور)، انگلستان جماعت کی نمائندگی ڈاکٹر جواد احمد صاحب ان کی بیگم صاحبہ اور پاکستان سے ان کی بہن نگینہ عامر صاحبہ (وزیرآباد) نے کی۔ سرینام سے محترم صدر صاحب اور دیگر افراد پر مشتمل وفد نے شمولیت کی۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کا قیام چیئرمین نیدرلینڈ محترم شیخ قاسم صاحب کے گھر تھا۔

19 تاریخ 2011ء بروز بدھ ایک بس ٹور کا پروگرام برائے برلن مسجد رکھا گیا۔ شرکاءِ جلسہ میں سے اکثر احباب حضرت امیر ایدہ اللہ کے ہمسفر ہوں گے۔

16 اکتوبر 2011ء حضرت امیر ایدہ اللہ اپنے تمام رفقاء کے ساتھ یوترخت جماعت کے استقبالیہ کے لئے مدعو تھے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں جمع ہوئیں۔ تین بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی بھائی لال محمد صاحب جو یوترخت جماعت کے صدر ہیں نے اس استقبالیہ اجلاس کی صدارت فرمائی۔ یوترخت جماعت نے

ایک گرجا کو مسجد کے روپ میں تبدیل کیا ہے۔مسجد کی اوپر کی منزل میں ایک بڑا ہال ہے جس میں ایک وقت میں پانچ صد سے زیادہ لوگ سما سکتے ہیں۔

محترم سنتو صاحب نے پروفیسر راجندر بھگوان بالی صاحب کا تعارف کروایا جو ہالینڈ میں تاریخ اور عمرانیات کے پروفیسر ہیں اور جن کا بنیادی طور پر سرینام سے تعلق ہے۔محترم سنتو صاحب نے ان کے سرینام میں محنت کش طبقہ کے معاہدوں کے متعلق،تاریخ اور تحقیقی کام کو سراہا۔

پروفیسر راجندر بھگوان بالی نے اپنی کتاب کے حوالہ سے بتایا کہ کس طرح محنت کش طبقہ ڈچ آبادکاری کے کالے معاہدوں کے تحت سرینام میں جور وستم کی چکی میں پستے رہے اور جن میں سے کچھ تفصیلات کافی خوفناک ہیں۔آپ نے اپنی کتاب ہی کے حوالہ سے بتایا کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور غلامی سے آزادی کے لئے مسلم خواتین ہی تھیں جنہوں نے آواز بلند کی۔آپ کی تقریر کو حضرت امیر ایدہ اللہ اور سامعین نے کافی سراہا۔

حضرت امیر ایدہ اللہ نے اپنے خطاب میں پروفیسر بالی صاحب کی تحقیق خاص طور پر محنت کش طبقہ پر ظلم وستم پر اظہار خیال فرمایا اور کہا کہ ہم احمدیوں کو شروع ہی سے ایسے حالات سے گذرنا پڑ رہا ہے اور آج تک گذر رہے ہیں۔آپ نے قرآن کے حوالہ سے بتایا کہ کس طرح ہمیں وقت گذارنا ہے۔انہوں نے مسلمان خواتین کی بہادری کی بھی تعریف کی جنہوں ں ے ظالمانہ احکامات کے خلاف آواز بلند کی۔پروفیسر بالی صاحب جو کہ حضرت امیر ایدہ اللہ کے خطاب سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے جلسہ کے اختتام پر حضرت امیر ایدہ اللہ کے گھٹنوں کے بل جھک کر آشیر بادلی۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کے خطاب کے بعد بیرونی وفود نے اپنے آئندہ پروگرام کی تفصیلات بتائیں۔ بھائی رابرٹ ہیپٹ صدر SIV نے بتایا کہ ان کی جماعت بھی نومبر 2012ء میں ایک بین الاقوامی کنونشن کے انعقاد کا ارادہ رکھتی ہے۔ڈاکٹر جواد احمد صاحب جو کہ U.K جماعت کی نمائندگی کر رہے ہیں۔انہوں نے اس زمانہ کے مزدوری کے کالے معاہدوں پر روشنی ڈالی اور پھر بتایا کہ اس وقت کے احمدی ہندوستان کے کن علاقوں سے آئے۔ بھائی عزیزم نور سردار صاحب نے جو کہ ہیگ کی سٹکیٹنگ جماعت کے صدر ہیں نے قرآن مجید کی ڈچ زبان میں ترجمہ کی ایک کاپی پروفیسر راجندر بھگوان بالی کو پیش کی۔

بقیہ صفحہ نمبر 5

اپیل دستکاری

سالانہ دعائیہ کے موقع پر ہر سال خواتین خصوصی اجلاس میں مختلف موضوعات پر تقاریر کے علاوہ نہایت خوبصورت دستکاری بھی پیش کرتی ہیں۔گذشتہ سال دستکاری کی نہایت کامیاب قابل تحسین اور قابل فخر کامیابی صرف اور صرف آپ کے تعاون اور محنت سے ممکن ہوئی۔

آپ سے درخواست ہے کہ دستکاری کی نمائش میں حصہ لینے کی تیاری ابھی سے شروع کردیں اور دوسری بہنوں کو بھی ترغیب دلائیں اور تمام بہنیں اپنی دستکاری اس جلسہ پر پیش کر کے مشاہدین کے دلوں میں اپنی جماعت کی اہمیت اور افادیت کا نقش جمائیں۔آپ کی چھوٹی سی یہ انفرادی کوشش جماعت کے عظیم کاموں میں آپ کو حصہ دار بنا دیتی ہے۔

امید ہے اس سال بھی دستکاری کی نمائش اور آمدنی مزید بہتر ہوگی۔

آپ کی تعاون کی منتظر

بشریٰ علوی

سیکرٹری،دستکاری خواتین

☆☆☆☆

درس قرآن ۔ ۷

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

''اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں۔ یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لئے ہدایت ہے'' (سورۃ البقرہ۔ ۱تا۲)

یہ سورۃ بقرہ کی ابتدائی دو آیات ہیں۔ ایک رنگ میں یہ قرآن حکیم کی ابتداء ہے کیونکہ دوسری جگہ سورۃ فاتحہ اور قرآن حکیم کا یوں ذکر فرمایا ہے: ''یعنی ہم نے ہی تجھے سات، بار بار دوہرائی جانے والی آیتیں اور عظمت والا قرآن دیا ہے'' (سورۃ الحجر ۱۵ تا ۱۸)۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ یہ سات، بار بار دوہرائی جانے والی آیتیں سورۃ فاتحہ کی ہیں۔ علاوہ اور موقعوں کے ہر مسلمان روزانہ کم سے کم تیس دفعہ سورۃ فاتحہ کو دوہراتا ہے جو پانچ وقت کی ہر رکعت میں ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی سورۃ فاتحہ کو اُمّ الکتاب فرمایا یعنی قرآن حکیم کا خلاصہ، تو قرآن حکیم کا نچوڑ یا خلاصہ نکال کر سورۃ فاتحہ کی شکل میں قرآن حکیم کے اوپر رکھ دیا گیا ہے جس طرح سونے کی انگوٹھی پر ہیرا جڑا ہوتا ہے کہ وہ انگوٹھی کا حصہ بھی ہوتا ہے اور نہیں بھی۔ اس سے سورۃ فاتحہ کی شان بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں جو ہدایت کی دعا کی گئی تھی کہ ہمیں سیدھا راستہ بتا تو اس کے جواب میں سارا قرآن نازل ہوا، جیسا کہ آج کی آیات میں فرمایا کہ جو ہدایت تم مانگتے تھے وہ اس کتاب کی شکل میں نازل ہوئی ہے۔

پھر سورۃ فاتحہ میں دعا مانگی تھی کہ ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر لے کر چل جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان کا جن پر غضب نازل ہوا اور نہ ان کا جو گمراہ ہو گئے۔ تو اس دعا کو بار بار پڑھوانے میں یہ سبق دینا منظور ہے کہ وہ قومیں جن پر اللہ تعالیٰ انعام کرتا ہے وہ اپنی نالائقیوں سے بعض وقت خدا کے غضب کا محل بن جاتی ہیں اور بعض وقت ہدایت پانے کے بعد گمراہ ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو بار بار یہ یاد دلانا مقصود تھا کہ تم نے مغضوب علیہ یا ضالین قوموں کی راہ اختیار نہیں کرنی۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں قرآن جیسی عظیم الشان نعمت اور ہدایت دینے کے ذکر کے بعد اور بہت کچھ اعلیٰ نصیحتوں کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا کہ یہ قوم تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی دینی اور دنیاوی نعمتیں نازل کیں اور اس قدر متواتر اور بار بار کیں کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ قوم جو صدیوں سے مصریوں کی غلامی تھی اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے نہ صرف صدیوں کی غلامی سے بلکہ اس غلامی کے دوران جو ان پر سخت ظلم ہوتے تھے ان سے بھی نجات دلائی۔ آخری سالوں میں تو ظلم کی انتہاء یہ تھی کہ فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو تو قتل کروا دیتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا تا کہ یہ قوم نوجوان لڑکیوں کے بارہ میں ذلت اور بے عزتی گوارا کرتی ہوئی ختم ہو جائے۔ اور جب فرعون اور اس کے لشکر نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایک زبردست کرشمہ دکھاتے ہوئے بنی اسرائیل کو تو سمندر کے جوار بھاٹے میں سے بخیریت گذار دیا مگر فرعون اور اس کے لشکر جزار کو غرق کر دیا۔ اور بنی اسرائیل نے یہ زبردست قدرت نمائی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اس سے قبل مصر میں بھی یہ قوم زبردست نشانات اللہ تعالیٰ کے دیکھ چکی تھی جن کا ذکر سورۃ بقرہ میں آئے گا۔

مگر ان زبردست نشانات اور ان انعامات کے باوجود جن کا ذکر سورۃ بقرہ میں آئے گا اس قوم نے خدا کو نہ پہچانا اور اس کی ناشکری کی یہاں تک کہ گائے پرستی جو وہ مصریوں کو کرتا دیکھ آئے تھے اس کو خفیہ طور پر جاری رکھا۔ پہلے تو ایک زندہ خوبصورت گائے کی چھپ کر پرستش کرنے لگے اور جب اسے اللہ تعالیٰ نے ذبح

کروادیا تو پھر ایک سونے چاندی کا بچھڑا بنا کر پوجنے لگے۔ قرآن نے فرمایا: ''وہ سونے چاندی کا بچھڑا ان کے دلوں میں رچ گیا تھا'' (سورۃ البقرہ ۲:۹۳)۔ تو قابلِ غور یہ بات ہے کہ پہلے جس گائے کا پوجاوہ حیوان تھی اور دوبارہ جس کو پوجاوہ سونے چاندی کا بچھڑا تھا۔ آج یورپ اور امریکہ اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا کے اکثر علاقوں میں بھی خدا کو چھوڑ کر جس کو پوجا جاتا ہے وہ حیوانیت ہے یعنی یہ کہ اپنے اندر کے حیوانی جذبات اور خواہشات کی اسی طرح فرمانبرداری ہونے لگی ہے جس طرح خدا کی ہونا چاہیے تھی۔ عبادت کے معنی ہی فرمانبرداری کرنے کے ہیں جیسا کہ میں ایاک نعبد کی تشریح میں بتا آیا ہوں۔ دوئم دنیا کے دلوں میں بجائے خدا کے سونا چاندی یعنی دنیا کی دولت رچی ہوئی ہے جس کی تلاش اور پانا آج دنیا والوں کی زندگی کا مقصد بنا ہوا ہے۔ حالانکہ انسان کی پیدائش کا مقصد خدا کی تلاش اور اس کو پانا تھا جیسا کہ میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں بتا آیا ہوں۔ اس لئے بقرہ جس کے معنی گائے کے ہیں وہ حیوانی رنگ میں اور سونے چاندی یعنی دولت کے رنگ میں اکثر دنیا کا آج بھی معبود بن ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے اس موضوع یا مضمون کی اہمیت آج بھی اتنی ہے جتنی کہ بنی اسرائیل کے کفر کے ذکر میں تھی۔ میں نے یہ تشریح اس لئے کی کہ اکثر لوگ اسے بنی اسرائیل کے شرک پر ہی لگاتے ہیں اور اس کے موجودہ زمانہ سے تعلق کو نہیں سمجھتے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصریوں کی صدیوں کی سیاسی غلامی سے تو اپنی قوم کو نجات دلا دی مگر ان کی ذہنی غلامی دیر تک قائم رہی تھی تبھی تو وہ کبھی حیوان کو اور کبھی سونے چاندی کو پوجنے لگ گئے۔ اسی طرح یورپ کی دنیا بھر پہ سیاسی غلامی تو اٹھ گئی مگر ذہنی غلامی ابھی تک باقی ہے۔ اور تمام دنیا میں اہل مغرب کی اندھا دھند تقلید میں مغرب زدہ لوگ یا تو اپنی حیوانیت کو پوجتے ہیں یا سونا چاندی پانا زندگی کا مقصد بنا ہوا ہے بجائے خدا کو تلاش کرنے اور پانے کے۔

خود مسلمانوں نے گائے پرستی تو نعوذ باللہ کیا کرنی تھی مگر اکثر مغرب زدہ لوگ یعنی وہ لوگ جو یورپ اور امریکہ کے خیالات اور زندگی کے نقطہ نظر سے متاثر ہیں وہ بدقسمتی سے اپنے اندر کی حیوانی خواہشات کی فرمانبرداری کرتے ہیں یا باہر سونے چاندی یعنی دولت کی تلاش اور پانے کو اپنا زندگی کا مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس سے بڑھ کر اہم موضوع آج کے حالات میں کیا ہوسکتا ہے؟ اور یہ بات میں آپ کے سامنے اس لئے لایا ہوں تا کہ قرآن حکیم کے کمالات کا آپ کا احساس ہو۔ آج سے چودہ سو سال پہلے وہ باتیں فرمادیں جو ہر زمانہ کے حالات پر چسپاں ہوتی ہیں۔ آیئے اب ان آیات کو لیں جن سے سورۃ بقرہ شروع ہوتی ہے۔

الٓمٓ یہ اور اس قسم کے حروف قرآن حکیم کی انتیس یعنی بیس اور نو سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ انہیں حروف مقطعات کہتے ہیں یعنی وہ حروف جو علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً یہاں ہی ہم ان حروف کو الٓمٓ کر کے نہیں پڑھتے بلکہ الف۔ لام۔ میم علیحدہ علیحدہ پڑھے جاتے ہیں۔ اکثر لوگ ان کے معنی نہیں کرتے حالانکہ ان کے معنی صحابہ کرام سے مروی ہیں اور غالباً انہوں نے رسول اللہ صلعم سے ہی معلوم کئے ہوں گے۔ بہرحال اس قسم کے حروف عربی زبان میں پہلے بھی استعمال ہوتے تھے اور ان کے معنی کئے جاتے ہیں اور زبانوں میں مثلاً انگریزی یا امریکن انگریزی میں بھی اس طرح کے حروف استعمال ہوتے ہیں جن میں سے شاید مشہور ترین O.K ہے جس کے معنی بالکل ٹھیک یا صحیح کے ہیں۔ بعض مفسرین نے تو غضب کر دیا ہے کہ کہا کہ یہ حروف مقطعات قرآن حکیم کے کاتبوں کے ناموں کے پہلے حروف تھے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ یہ حروف جو سورت کی آیتوں کا حصہ ہونے کی وجہ سے ان کی آیتوں کی تعداد میں گنے جاتے ہیں ان سورتوں یعنی قرآن پاک کا حصہ ہیں اور شروع سے ہی نماز یا ویسے قرات میں پڑھے جاتے تھے۔ اگر قرآن پاک میں نعوذ باللہ کاتبوں کے ناموں کے پہلے حروف لکھے جا کر اس کا حصہ بن گئے ہیں تو پھر کیا امان یا گارنٹی ہے کہ نعوذ باللہ قرآن کی عبارت محفوظ ہے حالانکہ خدائی وعدہ ہے کہ ''یعنی ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی خود اس کی حفاظت کریں گے'' (سورۃ الحجر ۱۵۔۹)۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ ابتدائی ایام سے رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہ ان حروف مقطعات کو قرآن پاک کی تلاوت کے اندر پڑھتے تھے تو کیا نعوذ باللہ وہ کاتبوں کے ناموں کے پہلے حروف کو خدا کا کلام بنا کر پڑھتے تھے۔ استغفر اللہ

جن لوگوں نے شاہی فرمانوں کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ہر شہنشاہ کے فرمان کے شروع میں اس کا نام اور القاب ہوتے ہیں۔ حروف مقطعات بھی شہنشاہوں کے شہنشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام یا القاب بتاتے ہیں اور جن صفات الٰہی کا

ان میں ذکر ہوتا ہے ان کا تعلق اس سورت یا عبارت کے مضمون سے بہت زبردست ہوتا ہے مثلاً یہاں ہی الم کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انا اللہ اعلم یعنی پہلا لفظ انا کا پہلا حرف الف لے لیا گیا اور دوسرے لفظ اللہ کا دوسرا حرف لام لے لیا گیا اور تیسرے اور آخری لفظ کا آخری حرف میم لے لیا گیا اور کیا اعلیٰ اور موزون حال معنی نکلے کہ میں ہوں اللہ جو سب سے زیادہ یا کامل ترین علم رکھتا ہوں۔ یہ معنی اس لئے نہایت اعلیٰ اور موزوں ہیں کہ آگے ذکر ہے کہ جو ہدایت تم نے سورۃ فاتحہ میں مانگی تھی وہ میں اس کتاب میں نازل فرما رہا ہوں۔ تو ہدایت دینے کا سب سے زیادہ اہل وہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ مثلاً کوئی بیمار ہوجائے تو ہم ڈاکٹر سے ہدایت مانگتے ہیں کہ کیا دوائی دیں یا کیا پرہیز کرائیں یا کیا کھلائیں پلائیں۔ اس لئے کہ ڈاکٹر ہم سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اگر ڈاکٹر کو خود ہدایت کی ضرورت ہو تو وہ کہتا ہے کہ اس مریض کو فلاں سپیشلسٹ یعنی ماہر کو دکھا کر اس کی ہدایت لو اس لئے کہ ڈاکٹر سے بھی زیادہ اس مرض کا سپیشلسٹ یعنی ماہر علم رکھتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون علم رکھتا ہے جس نے تمام کائنات بنائی۔ اور دنیا کے تمام علوم اور سائنسز خدا کے قوانین اور کائنات کا علم حاصل کرنے کا نام ہے، اس لئے تمام علوم اور سائنسز کا بانی مبانی خود اللہ تعالیٰ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اس کے باطن میں روح رکھی، اور فرشتوں اور شیطان کو بنایا جن کے بنانے کے اعلیٰ مقصد ہم اسی سورۃ بقرہ کے چوتھے رکوع میں انشاء اللہ دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون بہتر علم رکھ سکتا ہے کہ اس نے کیوں انسان کو پیدا کیا، اور کس راستہ پر چل کر وہ دنیا اور آخرت میں (جس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے) اپنے مقصد پیدائش کو پاسکتا ہے اور کیا ظاہری اور باطنی خطرات ہیں یا غلطیاں ہیں جن سے انسان کو بچنا چاہیے۔ تو اس لئے انسان کو ہدایت دے اس لئے کہ وہ سب سے بڑھ کر علم رکھتا ہے جس میں علم غیب شامل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے۔

ذالک الکتٰب کے معنی ہیں یہ ہے وہ کتاب۔ قرآن مجید کو شروع سے ہی کتاب کا نام دیا یعنی یہ لکھی جا کر کتاب کی شکل میں دنیا میں رہے گی۔ قرآن پاک واحد الہامی کتاب ہے جو جیسے، جیسے نازل ہوتی تھی لکھ لی جاتی تھی۔ اس کا مزید ذکر انشاء اللہ اگلے درس میں کروں گا۔

انتقال پُر ملال

احباب و خواتین جماعت کو یہ پڑھ کر دکھ ہوگا کہ ہمارے کارکن جمیل الرحمٰن صاحب کی اہلیہ محترمہ جو کچھ عرصہ سے بیمار تھیں مورخہ 22 اکتوبر 2011ء بروز ہفتہ اس جہاں سے چل بسیں۔

"بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"

مرحومہ کی ذات بے شمار خوبیوں کی حامل تھی۔ نہایت ہی زاہدہ اور عابدہ خاتون تھیں۔ ہمیں اس حادثہ پر سوگواران اور دیگر خاندان کے ممبران سے دلی ہمدردی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام عزیزوں کو صبر کی توفیق دے۔ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کی اولاد میں دین کی خدمت کے جذبہ کو قائم رکھے۔ آمین

احباب و خواتین جماعت کو یہ پڑھ کر دکھ ہوگا کہ ہمارے مخلص بزرگ محترم میاں فضل کریم صاحب کی اہلیہ محترمہ جو کچھ عرصہ سے بیمار تھیں مورخہ 29 اکتوبر 2011ء بروز جمعہ اس جہاں سے چل بسیں۔

"بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"

مرحومہ کی زندگی نیکی اور شرافت کا مجموعہ تھی۔ نہایت ہی زاہدہ اور عابدہ خاتون تھیں۔ ہمیں ان کے انتقال پُر ملال پر سوگواران اور دیگر خاندان کے ممبران سے دلی ہمدردی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام عزیزوں کو صبر کی توفیق دے۔ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کی اولاد میں دین کی خدمت کے جذبہ کو قائم رکھے۔ آمین

☆☆☆☆☆

حافظ شیر محمد خوشابی کی تبلیغی خدمات

کٹھن ہیں راستے تبلیغ کے رشد و ہدایت کے
سہم جاتے ہیں اکثر حوصلے زورِ خطابت کے
نہیں کچھ کام آتے فلسفے عقل و فراست کے
پسینے چھوٹ جاتے ہیں یہاں پر استقامت کے

سعادت یہ میسر ہر کسی کو آ نہیں سکتی
یہ وہ راہِ جنون ہے جس کو پا نہیں سکتے

برابر ہے تجھے آبادیاں ہوں یا کہ ویرانے
تو جس منزل کا راہی ہے وہاں پہنچے ہیں دیوانے
مئے توحید پر لبریز تو ہیں تیرے پیمانے
رہا پینے پلانے کا وہ تم جانو خدا جانے

نہ ہو سوزِ دروں تو کون آئے دل کو گرمانے
جہاں میں شمع مردہ پر کہاں آتے ہیں پروانے

مبارک وہ نظر جو دل کے زخموں کو سنوار آئے
مبارک وہ زباں جس سے سکوں پہنچے قرار آئے
مبارک وہ قدم جو جس جگہ جائیں بہار آئے
خوشا دہ ہاتھ جن سے گلشنِ دیں پہ نکھار آئے

خلوص و شوق سے کہتے ہیں تجھ کو الوداع حافظ
خدا حافظ، خدا حافظ، خداحافظ، خداحافظ

(از: اعظم علوی)

طاعون تجھ کو چھو سکے ممکن نہیں کبھی

مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے معجزانہ طور پر صحت یاب ہونے کا واقعہ

اِک واقعہ عجیب بتاتا ہوں میں تمہیں
اِک معجزہ ہے جو سناتا ہوں میں تمہیں

مشہور ہے جہاں میں محمد علیؒ کا نام
اس محرمِ رموزِ خفی و جلی کا نام

تھا جو عمل میں علم میں یکتائے روزگار
جس کو خدا نے خوبیاں بخشی تھیں بے شمار

بے مثل و بے نظیر مفسّر قرآن کا
ممتاز اِک مرید مسیح الزمانؑ کا

اِک دن تپ شدید سے وہ مردِ باخدا
بیمار سخت ہوگیا اللہ کی رضا

پھیلی ہوئی تھی ان دِنوں طاعون کی وَبا
طاعون کیا تھی گویا اجل کا پیام تھا

سمجھا کہ ہو رہا ہوں میں طاعون کا شکار
بچنے کی اَب نہیں کوئی امید زینہار

بیتاب دل تھا کرب تھا اور اضطراب تھا
رگ رگ میں اس کی گویا تھا نشتر چُبھا ہوا

جب زندگی سے اپنی وہ مایوس ہو گیا
بلوا کے دوستوں کو وصیت بھی دی لکھا

جا کر کسی نے حضرت اقدسؑ کو دی خبر
اسے حسرت! اب ہے حالتِ بیمار خستہ تر

چہرہ پہ اس کے یاس کے آثار ہیں عیاں
گویا وہ ہونے والا ہے سوئے عدم رواں

نزدِ مریض جلد مسیح زماں گئے
اور یوں لسانِ صدق سے گوہر فشاں ہوئے

میرے حبیب کیوں تجھے اتنی ہے بے کلی
طاعون تجھ کو چھو سکے ممکن نہیں کبھی

محفوظ ہے جو دار میں میرے مقیم ہے
ایسا ہی مجھ سے وعدہِ رب رحیم ہے

طاعون ہو اگر تجھے اے مردِ نیک نام
جھوٹا ہے میرا سلسلہ جھوٹا مرا کلام

کہہ کر یہ ہاتھ نبض پہ رکھا امام نے
اس مردِ برگزیدہ علیہ السلام نے

رکھتے ہی ہاتھ نبض پہ تپ دُور ہوگیا
یہ معجزہ مسیح کا مشہور ہوگیا

(از مولانا مرتضٰی خان حسن مرحوم)

محمد علی کون؟

از: محمد اعظم علوی

جہاں میں اہلِ خبر کے سوا کچھ اور نہیں
چمن میں بادِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں

برہنہ پا بھی چلے آؤ اس کے گلشن میں
زمیں پہ سبزۂ تر کے سوا کچھ اور نہیں

زباں پہ جب بھی محمد علی کا نام آیا
کھلا کہ دیں کی سپر کے سوا کچھ اور نہیں

دیارِ غیر میں اس کے قلم کی جوانی
جہاں پہ خوف و خطر کے سوا کچھ اور نہیں

فقیہہ شہر کہ ہے اس کا خوشہ چیں لیکن
سراپا فتنہ و شر کے سوا کچھ اور نہیں

سمجھ سکے نہ جسے مفتیانِ دیں اب تک
نشانِ راہگزر کے سوا کچھ اور نہیں

نظر نواز وہ صورت، یہ دلنواز چلن
قسم ہے نورِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں

بھٹک رہے ہو کہاں منزلوں کے متوالو
یہ رہنمائے سفر کے سوا کچھ اور نہیں

وہ جس کی آہِ سحر گاہ کے سبب علوی
کھلا تھا بابِ اثر کے سوا کچھ اور نہیں

(11 اکتوبر 1981ء)